چلڈرن لائبریری

بچوں کے لئے شہری و دیہاتی مفید معلومات سے لبریز

مسلسل ظریفانہ کہانی

حاجی بابا اصفہانی

حصہ اوّل

مؤلفہ

پروفیسر تاجور نجیب آبادی

ایڈیٹر اتحاد و پریم لاہور

حجازی پریس لاہور میں باہتمام حافظ محمد اسمٰعیل پرنٹر چھپا اور پروفیسر تاجور نجیب آبادی پبلشر
نے شائع کیا۔

فہرست

حصہ اول

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
[illegible]	[illegible]	[illegible]

ڈیڈی کیشن

میں اس ناچیز تالیف کو اپنے محترم دوست
خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب ایم۔اے۔آئی۔ای
ایس کے نام نامی پر معنون کرتا ہوں۔ جنہوں
اردو ادب کے ابتدائی شعبۂ تعلیم کو اپنے مفید
ترین اور پختل لٹریچر سے مالا مال کر کے
بچوں کی ذہنیت کو بلند کر دیا ہے۔

نذر گذار

تاجور نجیب آبادی

حاجی بابا اصفہانی

حاجی بابا اصفہانی طویل ایرانی افسانے کا ایک عجوبہ زا کیرکٹر ہے۔ اسکی پوزیشن عین بین وہی ہے۔ جو عربی لٹریچر میں مقاماتِ حریری کے ابو زید سروجی اور پنڈت رتن ناتھ سرشار کے فسانہ آزاد میں فوجی کو حاصل ہے ۔

حاجی بابا اصفہانی اپنی کہانی اپنی ہی زبانی سناتا ہے۔ اور ایسے مزے لیکر سناتا ہے۔ کہ خود بھی ہنستا ہے۔ اور سننے والوں کو بھی ہنسا ہنسا کے لٹا دیتا ہے ۔

یہ کہانی بے حد طویل ہونے کے باوجود بے حد دلچسپ اور بشاشت آفریں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یورپ و ایشیا کی کئی زبانوں میں اسکا ترجمہ ہو چکا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی نے اِسکا فارسی ترجمہ انٹرمیڈیٹ کے فارسی کورس اور انگریزی ترجمہ اس کلاس کے انگریزی کورس میں داخل رکھا ہے۔

فسانۂ آزاد جسطرح اسوقت کے لکھنو کی تہذیب و معاشرت کا آئینہ ہے۔ اسیطرح حاجی بابا اصفہانی اپنے عہد کی ایرانی معاشرت کا مرقع ہے +

اس افسانے کو پڑھکر ایران کا جغرافیہ ایران کے مختلف طبقات کے حالات ایرانیوں کے رسم و رواج ایرانی اقوام کی تہذیب و تمدن۔ غرضیکہ ایران اور اہل ایران کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہوجاتے ہیں۔

بچوں کا فطری جذبہ ظرافت (ہیومر ہیچر) جو خشک اور بشاشت سوز کورسوں نے

تباہ کر دیا ہے۔ اس قسم کی کہانیوں سے بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کہانی کی ایک خصوصیت یہ ہے۔ کہ اسکی ظرافت مہذب حدود سے آگے نہیں بڑھتی حاجی بابا اصفہانی کی چھ سو صفحات کی کتاب شروع سے اخیر تک ظرافت سے لبریز ہے۔ مگر پھکڑپن۔ حیاسوز عریانیوں سے یکسر خالی ہے۔

میں نے فارسی سے بچوں کی آسانی کیلئے عام فہم اُردو سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ ظرافت کو قائم رکھتے ہوئے غیر ضروری حصوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور ادائے بیان میں تصنیفی اردو نہیں بلکہ گھریلو بولی استعمال کی ہے۔

اسی کیساتھ کہانی کو زیادہ مفید اور تعلیمی بنانے کے لئے اثنائے بیان میں حاجی بابا کی زبان سے بات سے بات پیدا کر کے موجودہ ہندوستانی طرز حکومت۔ شہریت کے متعلق معلومات۔ حفظانِ صحت کے اصول۔ ہندوستانی آدابِ معاشرت۔ مثلاً میونسپل بورڈ۔ ڈسٹرکٹ بورڈ۔ صوبوں کی کونسلیں۔ لیجسلیٹو اسمبلی۔ زراعت۔ صنعت و حرفت، دیہاتی زندگی۔ سکاؤٹ۔ امداد باہمی وبائی بیماریاں۔ حفظانِ صحت اور اُردو کے ادبی معلومات وغیرہ۔ غرضیکہ ہندوستانی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں سے بچوں کو اس طریقے سے روشناس کرایا ہے۔ کہ کہانی کی دلچسپیوں کے پردے میں غیر محسوس طور پر یہ دیہاتی و شہری معلومات ان کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ قابلِ احترام تعلیمی رہنما اور اسکولوں کے محترم استاد میری اس ناچیز کوشش کو شرفِ توجہ عطا فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائینگے۔

اخیر میں حضرت ساحل بلگرامی۔ پنڈت میلا رام وفا ایڈیٹر سوراجیہ و بھارت لاہور کی مسلسل توجہات کا ممنونِ منت ہوں کہ ان حضرات نے اس مرحلے میں اخیر تک میرا ہاتھ بٹایا۔ خاکسار

تاجور نجیب آبادی

حاجی بابا

حصّہ اوّل

کہتے ہیں۔ کہ کچھ دنوں پہلے دلّی کے ایک محلہ میں تین برابر کے لڑکے پاس پاس کے مکانوں میں رہا کرتے تھے۔ ایک مسلمان تھا۔ جسکا نام اختر تھا۔ دوسرا ہندو جسکو کرشن کہتے تھے۔ اور تیسرا عیسائی جو ولیم کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ سب لڑکے ایک ساتھ پلے۔ ایک ساتھ بڑھے۔ اٹھنا بیٹھنا چلنا۔ پھرنا۔ ان کا ایک ساتھ تھا۔ اگرچہ سب کا مذہب الگ الگ تھا۔ لیکن محبت نے اس جھگڑے کو قریب قریب مٹا دیا تھا۔ جب یہ لڑکے ۵-۵ سال کے ہوئے۔ تو ان کے ماں باپ نے ایک ہی مکتب میں انکو بٹھا دیا۔ یہ تینوں ایک ساتھ پڑھنے لگے۔ ان لڑکوں کا قاعدہ تھا۔ کہ مکتب سے پلٹ کر کسی ایسے کام میں لگ جاتے تھے۔ جو ان کو بھلا معلوم ہوتا۔ اور ان کی طبیعتوں کو اچھا لگتا۔ اکثر یہ ہوتا

اور ان کی طبیعتوں کو اچھا لگتا۔ اکثر یہ ہوتا۔ کہ یہ سب محلہ کے کسی بزرگ کے پاس چلے جاتے۔ اور اُن سے کہانیاں قصّے سُنا کرتے۔ اور اپنی بھولی بھالی طبیعتوں کو بہلایا کرتے اسی طرح ۶-۷ سال گذر گئے۔ اسی درمیان میں ایک ایرانی بڈھا ان کے محلہ میں آ کر رہا۔ یہ بوڑھا اپنی عمر کی باقی گھڑیاں پوری کر رہا تھا۔ زمانہ کے اُلٹ پھیر نے اس کو بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ یہ جہاں بیٹھتا۔ آپ بیتی میٹھی میٹھی باتوں سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا۔ لوگ اس کی باتیں چپ چاپ سُنا کرتے اور چاہتے۔ کہ یہ ایسی ہی باتیں کئے جائے۔ یہ بات سارے محلہ میں پھیل گئی۔ اور ہر شخص اِس کی باتوں کے سننے کا خواہشمند رہنے لگا۔ ہوتے ہوتے یہ خبر ان لڑکوں کے کانوں میں پڑی۔ ان کے دلوں میں بھی اس بوڑھے کی باتیں سننے کی اُمنگ پیدا ہوئی ؎

ایک روز جب یہ کہیں سیر کرنے کو جا رہے تھے۔ تو انہوں نے دیکھا۔ کہ کچھ لوگ اس بڈھے کے گھر پر جمع ہیں۔ اور اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ بڑھا باتیں کہہ رہا ہے۔ اور سب لوگ سُن رہے ہیں۔ اِن تینوں لڑکوں نے چاہا۔ کہ کسیطرح اس بوڑھے آدمی کے پاس پہنچ جائیں۔ لیکن آدمیوں کے جماؤ نے اُن کو اُس تک نہ پہنچنے دیا۔ یہ کھڑے ہوئے دُور سے اس کی باتیں سنتے رہے آخر مجمع چھٹا۔ اور وہ بوڑھا اکیلا رہ گیا۔ یہ تینوں اسکی طرف

بڑھے۔ اور جا کر اس بوڑھے کے قریب ایک ٹوٹی ہوئی پلنگڑی پر بیٹھ گئے یہ لڑکے یہاں نئے نئے آئے تھے۔ اسلئے بوڑھے سے باتیں کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ جھینپتے تھے۔ بہ چپ تھے۔ کہ خود وُہ بڈھا بولا۔

بڈھا۔ ارے بھائی! کیسے آئے۔ چپ کیوں بیٹھے ہو۔ کچھ بات تو کرو۔

اختر۔ جی ہم تینوں آپ کی باتیں سننے آئے تھے۔ آپ سے کچھ عرض نہیں کر سکتے۔ آپ کی باتیں ہم کو یہاں تک کھینچ کر لائی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ آپ کچھ کہیں اور ہم سُنیں۔

بڈھا۔ ہاں ہاں۔ ضرور۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ کہ تم سُنو گے کیا؟

اختر۔ یہی قصے کہانیاں اور کیا۔

بڈھا۔ خوب۔ قصے کہانیاں تو سُنو گے ہی۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ جگ بیتی سُنو گے۔ یا آپ بیتی؟

اختر۔ جی! جگ بیتی، آپ بیتی۔ اسکے کیا معنی؟۔

بڈھا۔ واہ واہ وا! تم کو یہ بھی نہیں معلوم جگ بیتی اور آپ بیتی کسے کہتے ہیں۔ ارے بھائی! جگ بیتی اسکو کہتے ہیں۔ جس میں کسی دوسرے کی باتیں بیان ہوں۔

کرشن۔ جیسے کہانیوں میں ہوتی ہیں۔ جنہیں ہم روز راتوں کو سُنتے ہیں؟۔

بڈھا۔ ہاں۔ ہاں۔ وہی۔ وُہی۔

ولیم۔ اور آپ بیتی؟

بڈھا۔ لو وُہ بھی سُنو۔ آپ بیتی کہتے ہیں۔ جسمیں اپنی حالت بیان

جائے۔ جو کچھ کسی شخص کی زندگی میں اس پر گذر چکا ہو۔ اُسے بیان کیا جائے۔ یہ باتیں اگر کان دھر کے سُنی جائیں۔ تو بڑی فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں۔ خاصکر لڑکوں کیلئے تو بڑی ہی اچھی چیز ہے۔

اختر۔ اچھا تو آپ بیتی سنائیے۔ کیوں ہے نا ولیم۔

ولیم۔ ہاں دل تو ہمارا بھی یہی چاہتا ہے۔ مگر کرشن سے بھی تو پوچھ لو۔

اختر۔ کیوں بھائی کرشن! آپ بیتی سنو گے نا؟

کرشن۔ ہاں ہاں۔ پوچھنے کی کیا بات ہے۔

اختر۔ ہاں صاحب! تو آپ بیتی سُنائیے۔

بُڈھا۔ اچھا تو سُنو۔

m. Shah

قصّہ کا شروع

میرا نام حاجی بابا ہے ۔ اور میرے باپ کا نام کربلائی حسن ۔ جو اصفہان کے مشہور نائی تھے ۔

ولیم ۔ اصفہان کیا کسی شہر کا نام ہے ؟

حاجی بابا ۔ ہاں ! یہ ایران میں ایک بہت بڑی منڈی ہے ۔

اختر ۔ ہاں تو ۔

حاجی بابا ۔ ہاں تو میرے باپ کی شادی بچپن ہی میں ایک عورت سے ہو گئی تھی ۔ یہ عورت ایک موم بتیاں بنانیوالے کی لڑکی تھی جو اس کے پڑوس ہی میں رہتا تھا ۔ پہلے پہلے تو میاں بیوی میں خوب میل جول رہا ۔ لیکن کچھ عرصہ بعد یہ ساری محبت کافور ہو گئی ۔

ولیم ۔ ایسا کیوں ہوا ؟

حاجی بابا ۔ وہ عورت بانجھ تھی ۔ جسکی وجہ سے کوئی لڑکا اس سے نہ ہُوا ۔

ولیم ۔ بانجھ کس کو کہتے ہیں ؟

حاجی بابا۔ بانجھ اس عورت کو کہتے ہیں۔ جسکے کبھی بچہ نہ ہو۔
کرشن۔ تو پھر آپ کے باپ نے کوئی شادی نہیں کی؟
حاجی بابا۔ ہاں ہاں۔ کی کیوں نہیں۔ میرا باپ اپنے کام میں بڑا استاد تھا۔ بڑے بڑے تاجروں میں اُسکی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ بڑے بڑے آدمیوں تک اسکی پہنچ تھی۔ اونچی اونچی جگہوں میں وہ بلایا جاتا تھا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا۔ کہ اس نے بڑی دولت جمع کرلی۔ اب اس کو صرف اولاد کی آرزو تھی۔ اسلیئے دوسری شادی کی فکر ہوئی۔ آخر کار اس نے دوسری شادی کر ہی لی۔ یہ بیوی خوبصورت تھی اور ایک مالدار صراف کی بیٹی تھی۔ یہ شادی صرف یوں ہوگئی۔ کہ میرا باپ اس زمانہ میں اپنے کام میں بڑا استاد گِنا جاتا تھا۔
جب دوسری شادی ہوگئی۔ تو پہلی بیوی دوسری بیوی سے بہت جلنے لگی۔ سوتیا ڈاہ اسکو اتنا ہوگیا۔ کہ میرے باپ کو سکھ سے بیٹھنا مشکل ہوگیا۔ اسکی جان عذاب میں پڑگئی۔ آخر اس کے سُسر نے اس کو یہ رائے دی۔ کہ وہ اپنی بیوی کو لیکر کربلا چلا جائے۔
کرشن۔ کربلا کہاں ہے؟
حاجی بابا۔ یہ عراق میں واقع ہے۔ یہاں مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد (صلعم) کے نواسہ امام حسینؑ دفن ہیں۔ جن کو امیر معاویہ

کے بیٹے یزید نے قتل کرا دیا تھا۔

اختر۔ اچھا تو وُہ اپنی بیوی کو لے کر کربلا چلا گیا؟

حاجی بابا۔ ہاں۔ تو میرے باپ نے بھی یہی مناسب سمجھا۔ اور اچھی دن تاریخ وُہ اپنی بیوی کو لے کر کربلا چل دیا۔ بیوی پورے دنوں سے تھی۔ نواں مہینہ آخر تھا۔ راہ ہی میں بدقسمتی سے میں پیدا ہو پڑا۔

کربلائے معلیٰ کی زیارت سے پہلے میرا باپ حسن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ لیکن اس کے بعد اسکے نام میں کربلائی کا اور دُم چھلا لگ گیا۔ خُدا میری ماں کا بھلا کرے۔ جس نے میرا نام منّت میں حاجی رکھ دیا۔ اِس نام سے عمر بھر میری عزت رہی۔ مَیں اپنی زبان سے کیوں کہوں کہ مَیں اسکے لائق نہ تھا۔ اگرچہ یہ نام اسی کا رکھا جاتا ہے۔ جو کعبہ شریف جا کر سنگ اسود کو چوم آئے۔ اور مجھے وہاں کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔

جب میرا باپ اصفہان سے کربلا چلا تھا۔ تو اس نے اپنا جانشین اپنے ایک شاگرد کو بنا دیا تھا۔ جس نے اپنے اُستاد کے کام کو بہت ہوشیاری اور ایمانداری سے پُورا کیا۔ جب میرے باپ کربلا سے آکر پھر اپنی جگہ پر براجے۔ اور اپنا اُسترا تیز کرنے لگے۔ تو شہر کے بڑے بڑے سوداگر میرے باپ کی دُکان پر آتے تھے۔ اور ان سے سر گھٹا نا مبارک سمجھتے تھے۔ بات صرف

اتنی تھی۔ کہ وُہ امام حسینؑ کے روضہ کی زیارت کر آئے تھے۔
جب میں بڑا ہوا۔ اور اپنا بُرا بھلا سمجھنے لگا۔ تو میں نے سوچا۔
کہ مجھے کچھ پڑھ بھی لینا چاہیئے۔ میں تو نماز روزہ ہی میں
پڑا تھا۔ اگر میں یہ نہ جانتا۔ کہ میرے پڑوس میں ایک مولانا
صاحب بھی رہتے ہیں۔ اور مکتب ہی کے ساتھ ڈیڑھ اینٹ کی
ایک مسجد بھی انہوں نے الگ بنا رکھی ہے۔ میرے باپ نے شاید
اُن سے میرے بابت کچھ کہہ دیا تھا۔ کیونکہ آٹھویں دن جب میں
مُلّا صاحب کو مونڈنے جاتا تھا۔ تو وُہ قال اللہ اور قال الرسول
کی رٹ لگا دیتے تھے۔ میں نے بھی ان سے پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ
دنوں میں میں نے کلام اللہ طوطوں کی طرح رٹ ہی لیا۔ اور جب
میں اتنا ہو گیا۔ کہ ٹٹول ٹٹول کر لوگ میرے لکھے ہوئے کو پڑھ
بھی لیں۔ تو پھر میں اپنے باپ کی دُکان پر بیٹھ کر اُسترا چلانے
لگا۔ میرے باپ کے پاس خچر اور اونٹ ہنکانے والے بہت
سے آیا کرتے تھے۔ جن کو مونڈنا میرا کام تھا۔ ایسے فراٹے
سے اُنکو مونڈتا تھا۔ کہ ان کی باچھیں کھل جاتی تھیں۔ نہ معلوم
کتنا وُہ مجھے دے جاتے تھے ۔

جب میں سولہ برس کا ہوا۔ تو میں طالب علم بھی تھا۔ اور خلیفہ بھی
حجامت بنانے۔ کان صاف کرنے اور ڈاڑھی کو خوبصورت بنانے
میں تو استاد تھا ہی۔ لیکن نہلانے میں بھی کمال رکھتا تھا۔

ن

یہ ساری باتیں دوسرا کیا جانتے - کہ ہندوستان-کشمیر اور ترکستان میں کس طرح نہلاتے ہیں- اور جھاواں کس طرح ملتے ہیں- مَیں ہی ایک ایسا تھا-جو ان ساری باتوں کو جانتا تھا- اور اُستادی کے ساتھ جانتا تھا- مَیں اپنے استاد کا بڑا شکر گذار ہوں- جسکی وجہ سے مَیں ایسا استاد ہوگیا- مَیں نے اپنے یہاں کے شاعروں کے بہت سے شعر یاد کر لئے تھے- جنکو میں موقع موقع پر سنا رہتا تھا-

اختر - یہ تو فرمایئے- شاعر کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا- شاعر اسکو کہتے ہیں-جو شعر کہے-

اختر - مَیں تو سمجھا نہیں- شعر کس چیز کا نام ہے- ذرا اچھی طرح سمجھا دیجیے-

حاجی بابا- اچھا تو سُنو- تم کسی پھلواری میں سے گذر رہے ہو- وہاں تم کو قسم قسم کے پھول دکھائی دیئے- کوئی زرد ہے- کوئی لال- کوئی سُرخ ہے- کوئی نیلا- ان پھولوں پر ہوا چل رہی ہے- اور وُہ جھوم رہے ہیں- تو انکا ہلنا تمہارے دِل پر ایک خاص اثر پیدا کرے گا- یہ اثر جب تم ایک تال کے ساتھ اپنی زبان پر لاؤ گے- تو اسکو شعر کہیں گے- شعر کہنے کے لئے بہت سی باتوں کے جاننے کی ضرورت ہوتی ہے- اگر مَیں ان ساری باتوں کو اسوقت تمہیں سمجھاؤں- تو تم ابھی سمجھ نہ سکو گے- اِس لئے تم اتنا ہی جان لو- کہ کسی دلی اثر کو لفظوں کے ذریعہ سے موزوں

کہ دینا شعر ہے۔ اور اوپر تو کہہ چکا ہی ہوں۔ کہ شعر کہنے والے کو شاعر کہتے ہیں۔

اختر۔ جی ہم سب سمجھ گئے۔ اب آگے چلئے۔

حاجی بابا۔ موقع موقع کے شعر پڑھنے سے میں بہت مشہور ہوگیا۔ وُہ آدمی حمام میں نہانے کے لئے آتے تھے۔ وُہ مجھے بہت اچھا سمجھتے تھے۔

میرے باپ کی دکان شاہی مسافر خانہ کے پاس ہی تھی۔ شہر میں بڑی بات یہ تھی۔ کہ دوسرے ملکوں کے سوداگر زیادہ آتے جاتے رہتے تھے۔ جب یہ لوگ میری دُکان پر حجامت بنوانے آتے۔ تو میں انکو فی البدیہہ شعر سنا سنا کر اُبھا گانٹھتا تھا۔ کہ وُہ مجھے بہت کچھ دے جایا کرتے تھے۔

کرشن۔ فی البدیہہ شعر کس کو کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ دیکھو۔ شعر دو طرح سے کہے جاتے ہیں۔ ایک تو سوچ کر۔ دُوسرے بے سوچے ہوئے۔ تو وُہ شعر جو بے سوچے کہدیا جائے۔ اُسے فی البدیہہ شعر کہتے ہیں۔

کرشن۔ جی۔ اچھا تو پھر۔

حاجی بابا۔ ہاں۔ تو ان سوداگروں میں ایک بغداد کا رہنے والا بھی تھا۔

اختر - بغداد وہی نا - جہاں بڑے پیر کا مزار ہے؟
حاجی بابا - ہاں ہاں - وہی -
ولیم - بڑے پیر کون؟
حاجی بابا - یہ ایک نیک آدمی تھے - ان کا نام غلام جیلانی تھا - انکو سُنیوں میں بہت مانتے ہیں - اور ان کے مقبرہ کی زیارت کرنے بغداد جاتے ہیں +
کرشن - مرے ہوؤں کی قبر دیکھنے سے ان کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟
حاجی بابا - نہیں مسلمانوں کے خیال میں وہ مردہ نہیں - کیونکہ قرآن مجید میں لکھا ہے - کہ شہید کبھی نہیں مرتا - لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ہے - کہ وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے یہ مسلمانوں کی اپنے مذہب سے ناواقفیت ہے - کہ وہ قبروں پر جا کر اُن کو سنوارتے ہیں - اُن سے دعائیں مانگتے ہیں - لیکن اصل میں اسلام ان باتوں سے ان کو روکتا ہے - مسلمانوں کے پیغمبر (صلعم) نے بارہا اس کی نسبت فرمایا ہے - لیکن جاہل لوگ نہیں مانتے اس کو کیا کیا جائے -
کرشن - اچھا ہوگا - اسے چھوڑیے - اور آگے چلیئے -
حاجی بابا - ہاں - تو اس سوداگر سے اور مجھ سے بہت میل جول ہوگیا - وہ کہا کرتا تھا - کہ مجھ سے ملتے رہا کرو - یہ باپ کا صدمہ تھا - کہ میں ترکی میں بھی بات چیت کر سکتا تھا -

گویا مُنہ چِڑا سکتا تھا۔ جب یہ سوداگر دوسرے شہروں کا حال بیان کرتا۔ کہ وُہ ایسے خوبصورت ہیں۔ اور ان میں یہ عجیب عجیب چیزیں ہیں۔ تو میرا دِل بھر بھر آتا تھا۔ آخر میں نے ٹھان ہی لیا۔ کہ ان شہروں کو دیکھنا ضرور چاہیئے۔ بغداد والے سوداگر کو ایک منشی کی ضرورت ہُوئی۔ جو اس کے حساب کتاب کو لکھتا رہے۔ میں جیسا اُستاد نائی تھا۔ وَیسے ہی ایک ہوشیار منشی بھی تھا۔ اُس نے مجھ سے درخواست کی۔ کہ اگر تم نوکر رہنا چاہتے ہو۔ تو میں تمہیں اپنے پاس رکھ سکتا ہوں۔ مَیں راضی ہو گیا۔ اور جو کچھ میں نے ارادہ کیا تھا۔ اس سے باپ کو بھی اطلاع دے دی۔ باپ اس سے بہت رنجیدہ ہُوا۔ اور اس سے الگ ہو جاؤں۔ کہنے لگا۔ کہ ایسی اُمیدوں پر اپنے وطن کو چھوڑنا۔ جن کا پُورا ہونا یا نہ ہونا معلوم نہیں۔ اچھی خاصی بیوقوفی ہے۔ مگر جب اُس نے یہ سوچا۔ کہ ایسے مالدار سوداگر کی نوکری میں فائدہ بہت ہوگا تو وُہ راضی ہو گیا۔ اور مجھ کو جانے سے نہ روکا۔ ساتھ ہی ایک نیا بکس استروں کا بھی مجھے دیا۔ باپ تو صرف اس سے راضی ہو گیا تھا۔ کہ میں آیندہ ایک

اچھی حالت میں ہو جاؤں گا۔ لیکن میری ماں مجھے نہ چھوڑتی تھی۔ اور اس پر ذرا بھی راضی نہ ہوتی تھی۔ کہ میں ایک سُستی کا ملازم ہوں۔ آخر میں وہ بھی راضی ہو گئی۔ اور مامتا میں آ کر ایک ٹوٹے ہوئے اوزاروں کا۔ اور ایک قیمتی مرہم کا ڈبہ مجھے دیا۔ اور یہ سمجھا دیا:

"بیٹا! یہ مرہم اندر باہر کے سارے پھوڑے پھنسیوں کے لئے بہت ہی اچھی چیز ہے"۔

جب میں سفر کے لئے باہر جانے لگا۔ تو میری ماں نے کہا۔ "پلٹ کر دیکھو۔ تاکہ تم پھر خوشی خوشی سفر سے واپس آؤ":

اتنا سُن کر اختر نے کرشن کی طرف دیکھا۔ اور اس نے ولیم کی طرف۔ حاجی بابا کچھ سمجھے۔ اور کہنے لگے۔

"کیوں بھائی۔ کیا ہے؟

اختر۔ رات بہت گئی ہے۔

حاجی بابا۔ تو کیا جانا چاہتے ہو؟

اختر۔ جی ہاں۔ اب اجازت دیجئے۔

حاجی بابا۔ اچھا تو پھر کب آؤ گے!

اختر۔ کل اسی وقت پھر آجائینگے۔
حاجی بابا۔ اچھا۔ جاؤ۔ خدا حافظ۔ ضرور آنا۔
تینوں۔ بہت اچھا۔ آداب عرض ہے۔

حاجی بابا کا سفر

اُس کا ترکمانوں سے مقابلہ اور گرفتاری

دوسرے روز وقت پر وُہ تینوں لڑکے آ گئے۔ اور پلنگڑی پر آرام سے بیٹھ کر قصّہ سُننے کے لئے تیار ہو گئے۔

اختر۔ تو ہاں اب داستان سنائیے۔

حاجی بابا۔ اچھا۔ بتاؤ تو کہاں پر چھوڑی تھی۔

ولیم۔ آپ گھر سے چل دیے۔

حاجی بابا۔ ہاں۔ ٹھیک ہے۔ جسکے ساتھ ہم گئے تھے۔ اس تاجر کا نام عثمان آغا تھا۔ یہ مشہد کی طرف روانہ ہو گیا+

کرشن۔ مشہد کیا؟

حاجی بابا۔ ایران میں ایک شہر ہے۔ خراسان جس کو زیادہ تر لوگ مشہد کہتے ہیں۔ مذہب امامیہ کے آٹھویں امام یہاں

دفن ہیں۔ جن کا نام حضرت علی الرضا تھا۔ ان کو مامون الرشید نے انگور میں زہر دیا تھا۔ مشہد کے معنی ہیں، شہید ہونے کی جگہ۔ چونکہ امام رضاؔ یہاں شہید ہوئے تھے۔ اسلئے اس کو مشہد کہتے ہیں ؎

کرنش۔ مامونؔ الرشید کون تھا؟

حاجی بابا۔ یہ خاندان بنی عباسیہ کا ایک خلیفہ تھا۔ یہ اپنے علمی کاموں کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے۔ اس نے امام رضا کو اپنا ولیعہد کیا تھا۔ لیکن آخر میں زہر دے دیا۔

اختر۔ ہاں۔ تو وہ خراسانؔ روانہ ہو گیا۔ پھر۔

حاجی بابا۔ یہ خراسانؔ اسوجہ سے گیا تھا۔ کہ وہاں بخاراؔ کی بھیڑ بکریوں کا چمڑا خرید کر قسطنطنیہ میں بھیجے۔

ولیم۔ بخاراؔ اور قسطنطنیہ کہاں ہیں؟

حاجی بابا۔ بخاراؔ تو ترکستان میں ہے۔ اور قسطنطنیہ یورپ میں۔ اس کو استنبولؔ اور اسلامبول بھی کہتے ہیں ؎

اختر۔ ہاں پھر۔

حاجی بابا۔ ہمارے مالک عثمانؔ آغا کا حلیہ یہ تھا۔ چھوٹا قد موٹا تازہ۔ بڑا سر۔ ایک پھولی پکوڑا سی ناک۔ گھنی ڈاڑھی مذہب میں بڑا پکا۔ جب صبح وضو کرتا تھا۔ تو فوراً موزے اُتار ڈالتا تھا۔ اگرچہ جاڑوں میں ایسا کرنے سے اس کو سخت

تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن کرتا ضرور۔ شیعہ مذہب سے بہت جلتا تھا۔ اور بہت برا بھلا کہتا تھا۔ ذرا سے فایدہ پر جان دینے کو تیار ہو جاتا تھا۔ رات دن اسی دھن میں لگا رہتا کہ روپیہ کس طرح کمایا جائے۔ جب سونے جاتا۔ تو پہلے اچھی طرح معلوم کر لیتا۔ کہ روپیہ پیسہ اچھی جگہ پر رکھا ہُوا ہے۔ اور اس پر آنچ نہیں آسکتی۔ اپنا پیٹ پالنا اس کا پہلا خیال تھا۔ حقہ دن رات برابر پیتا رہتا۔ بڑا پیٹو تھا۔ چھپ چھپ کر شراب بھی پیتا تھا۔ لیکن ظاہرا شراب پینے والوں کو بہت برا بھلا کہا کرتا ؛

بہار کے موسم میں خیال تھا۔ کہ قافلہ روانہ ہوگا۔ اسلئے ہم نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں ؛

ولیم۔ بہار کا کونسا موسم ہوتا ہے ؟

حاجی بابا۔ یہ وُہ موسم ہے۔ جس میں درخت کے پتے جھڑ کر اُن کی جگہوں پر کونپلیں پھوٹ آتی ہیں۔ یہی وُہ موسم ہے۔ کہ جنگل میں پھُول ہی پھُول نظر آتے ہیں۔ ہر طرف ہرا ہرا ہی دکھائی دیتا ہے۔ یہ موسم ۲۱ مارچ سے شروع ہوتا ہے۔ اسکے آتے ہی دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔

اختر۔ ہاں تو پھر۔

حاجی بابا۔ ہمارے مالک نے اپنی سواری کے لئے ایک مضبوط

اور تیز خچر مول لیا۔ اور مجھے ایک گھوڑا لے دیا۔ جس پر میں نے ایک حقہ، ایک انگیٹھی، ایک چمڑے کی بوتل اور کوئلے لاد لیے۔ اپنا سامان بھی میں نے اسی پر رکھا۔ ہمارے کھانا پکانے والے حبشی غلام نے بھی ایک خچر پکڑ لیا۔ اور اس پر بچھونا اور باورچی خانہ کا سامان لاد دیا۔ تیسرے خچر پر دوسری ضروری چیزیں اور ہمارے مالک کے کپڑے لتے رکھ دیئے گئے ہمارا سارا سامان تیار ہو گیا۔ چلنے سے ایک روز پہلے ہمارے مالک نے اپنی عمامہ میں پچاس اشرفیاں سی لیں۔ تاکہ بُرے وقت کام آئیں۔ اس بھید کو صرف میں جانتا تھا۔

قافلہ چلنے کو تھا۔ پانسو خچر گھوڑے ساتھ تھے۔ اور سو اونٹ بھی جن پر ایران میں بیچنے کے لئے چیزیں لدی ہوئی تھیں۔ قافلہ میں ڈیڑھ سو آدمی تھے۔ کچھ لوگ مشہد کو امام رضا کے مزار کی زیارت کے لئے ہمارے قافلے کے ساتھ جا رہے تھے۔

اس موقع پر ہر شخص ہتھیار لگائے ہوئے تھا۔ میرا آقا جسکی پہلے یہ حالت تھی۔ کہ ذرا کہیں بندوق چلی۔ اور یہ چوکنا ہوا۔ یا کہیں ننگی تلوار دیکھ لی۔ اور چہرہ پیلا پڑ گیا۔ لیکن آج وہ بھی ایک پرتلا، اور ایک جمدار تلوار کمر میں

ڈالے ہوئے۔ دو پستول ایک طرف کمر سے بندھے ہوئے۔ بارود اور کارتوسوں کی کپیاں ادھر ادھر لٹکی ہوئیں، عجب شان سے چل رہا تھا۔ میں بھی سر سے پاؤں تک ہتھیاروں میں لدا ہوا تھا۔ اس میں ایک بھالا بھی تھا۔ حبشی غلام کے پاس صرف ایک بندوق تھی۔ گھوڑا نہ تھا۔

دن نکلتے ہی اصفہان سے ہم چل دیئے۔ زائروں کے آگے آگے ڈھول بج رہا تھا۔ ہم نے اب اچھی طرح جان لیا تھا۔ کہ ہمارے ساتھ کون کون ہے۔ قافلہ والے سب ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ لیکن ان کی صورتوں سے یہ نہیں پایا جاتا تھا۔ کہ وہ لڑنے جارہے ہیں۔

میں اس گڑبڑ سے بہت خوش تھا۔ جب میں اپنے مالک کے برابر گھوڑا نہ دوڑاتا تھا۔ تو وہ کہتا تھا۔ دیکھو حاجی بے تکے پن سے گھوڑا نہ دوڑاؤ۔ یہ سفر کھیل نہیں ہے۔ جب لوگ منزل پر پہنچتے تھے۔ تو بہت سے لوگ مجھ سے حجامت بنواتے تھے۔ میں اپنے مالک کے لئے تو عجیب کام کی چیز تھا۔ ایک دفعہ جیسے ہی وہ خچر سے اترا۔ میں اس کے پیر دبانے لگا۔ پھر تو وہ وہ ہنر دکھائے کہ اس کی ساری تھکن رفوچکر ہو گئی۔ اور وہ مجھ سے بہت خوش ہوا۔

ہم بغیر کسی روک ٹوک کے طہران پہنچ گئے۔

اختر - طہران کہاں ہے -
حاجی بابا - یہ ایران کی راجدھانی ہے۔ جو ایران کے شمال کی جانب واقع ہے +
ولیم - اچھا - آگے کہیئے +
حاجی بابا - ہم لوگ خچروں کو آرام دینے کے لئے دس روز یہاں ٹھہرے اس سے یہ بھی غرض تھی - کہ لوگ زیادہ ہو جائیں - کیونکہ آگے ترکمان قوم راستوں کو بہت بھیانک بنائے ہوئے تھی - انہیں دنوں میں انہوں نے ایک قافلہ لوٹ لیا تھا - ترکمانوں کا ڈر اسی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا - اور امیر آقا تو مرا ہی جاتا تھا - اور کہتا تھا - کہ مشہد کیسے پہنچونگا - اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ میں بھیڑ کے چمڑے کا بھاؤ چڑھا ہوا ہے - پھر تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا -
کرشن - آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں - کہ ترکمان کون تھے -
حاجی بابا - یہ ترکوں کی ایک قوم ہے - اور انکا پیشہ لوٹ مار ہے -
اختر - اچھا آگے بیان کیجئے -
حاجی بابا - اب عثمان آغا کے دل میں کچھ بھی ڈر نہ تھا - بس یہ فکر تھی - کہ کسطرح قسطنطنیہ پہنچوں -
ایک چاوش طہران کی طرف زیارت کرنے والوں کو جمع کر رہا تھا - جب ہم وہاں پہنچے - تو اس نے کہا - کہ میں

سے نے بہت سے آدمی ساتھ چلنے کے لئے تیار کر لیئے ہیں۔ یہ سُن کر ہم بہت خوش ہوئے۔ اور خیال ہُوا۔ کہ اب خوف کی کوئی بات نہیں رہی۔ چاؤش کا طہران سے مشہد تک بڑا نام رہا۔ اور اس کی بہادری کا بڑا شہرہ تھا۔ کیونکہ اس نے راہ میں ایک ترکمان کو مار ڈالا تھا۔ اس کی صورت بہت ڈراؤنی تھی۔ سانولا چمکتا ہوا رنگ۔ چوڑے چوڑے بازو۔ موٹے موٹے سخت بالوں کی ڈاڑھی۔ چار آئینہ پڑا ہُوا۔ فولادی خود پہنے ہوئے۔ اور اُس کی زنجیریں کندھوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف چمکتی ہُوئی تلوار لٹک رہی تھی۔ اور دو پستول کمر میں لگے ہُوئے تھے۔ ایک ڈھال پیٹھ پر۔ ایک لمبا برچھا ہاتھ میں۔ صورت سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ ڈر اسکے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا۔ اس نے ایسی دون کی لینا شروع کیں۔ اور اپنی بہادری کا رنگ اِسطرح جمایا۔ کہ میرا مالک اُسے اپنا محافظ سمجھنے لگا۔

نوروز کی عید کے ایک ہفتہ بعد قافلہ چلنے کیلئے تیار ہو گیا۔

وِلیم۔ نوروز کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ دیکھو۔ ایک علم ہوتا ہے نجوم۔ اس میں جو ستارے آسمان پر ہیں۔ اُنکا حال بیان ہوتا ہے۔ کہ سات ستارے ایسے ہیں۔ جو چکر لگایا کرتے ہیں۔ چکر لگانے کی جگہ کے بارہ حصّے کئے ہیں ان کو برج کہتے ہیں۔

اختر - یہ تو پہلے بتلا دیجئے - کہ سات ستارے کون کون سے ہیں ؟
حاجی بابا - سنو ! قمر[۱] - زہرہ[۲] - عطارد[۳] - شمس[۴] - مریخ[۵] - مشتری[۶] زحل[۷] - یہ سات ستارے ہیں - جو ہمیشہ بروجوں میں گھوما کرتے ہیں ؛
اختر - بارہ برج کون کون سے ہیں ؟
حاجی بابا - حمل[۱] - ثور[۲] - جوزا[۳] - سرطان[۴] - اسد[۵] - سنبلہ[۶] - میزان[۷] - عقرب[۸] قوس[۹] - جدی[۱۰] - دلو[۱۱] - حوت[۱۲] - یہ بارہ برج ہیں ؛
کرشن - یہ نام کس زبان کے ہیں - کیا اسکے ہندی نام نہیں ہیں ؟
حاجی بابا - ہاں ہاں - ہیں کیوں نہیں یہ عربی نام ہیں - ہندی میں یہ ہیں - چاند - شکر - بدھ - سورج - منگل - برہسپت - سنیچر اور فارسی میں ماہ - ناہید - دبیر فلک - مہر جلاد فلک - بہرام برجیس - کیوان کہتے ہیں -
کرشن - تو پھر بروجوں کے ہندی اور فارسی نام بھی فرما دیجئے -
حاجی بابا - سنو ! ہندی میں میکھ کنیا - تلا - برچھک - دھن مکر - کمبھ - مین کہتے ہیں - اور فارسی میں برہ - گاؤ دو پیکر - سرطان - شیر - خوشہ - ترازو - کژدم - برز و لو - ماہی کہتے ہیں ؛
ولیم - ہاں - تو نوروز کو تو فرمایئے -
حاجی بابا - ہاں - تو جس دن سورج برج حمل میں جاتا ہے - اس دن کو

نوروز کہتے ہیں۔ یہ ہمیشہ ۲۱ر مارچ کو ہوتا ہے۔ یہ شمسی سال کا پہلا دن ہے۔ بہار اسی دن سے شروع ہو جاتی ہے ٭

ولیم۔ شمسی سال کسے کہتے ہیں ؟

حاجی بابا۔ اس سال کو کہتے ہیں۔ جسمیں سُورج کی چال سے حساب کیا جاتا ہے۔

اختر۔ ہاں۔ تو سفر کی تیاری ہو گئی۔ پھر ؟

حاجی بابا۔ جمعہ کو ہم نے ایک بڑی مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔ پھر شاہ عبدالعظیم کے گاؤں میں چلے گئے ٭

کرشن۔ یہ شاہ عبدالعظیم کون تھے ؟ ٭

حاجی بابا۔ یہ امام کے بیٹے تھے۔ جن کا مقبرہ مشہد کے پاس ہی۔ یہ جگہ انہیں کے نام سے مشہور ہو گئی۔ شاہی زمانہ میں جو کوئی مجرم یہاں آکر چھپتا تھا۔ اسکو گرفتار نہیں کیا کرتے تھے۔

اختر۔ پھر

حاجی بابا۔ دوسرے روز ہم یہاں سے مشہد روانہ ہوئے۔ ہم اس بھیانک اور خشک ملک میں بہت آہستہ آہستہ سفر کرنے لگے۔ یہ مقام بہت ڈراؤنا تھا۔ جب ہم کسی گاؤں میں پہنچتے۔ یا لوگ آکر ہمارے قافلہ میں ملتے۔ تو ہمارے راہ بتانے والے زور زور سے دعائیں پڑھتے۔ اور ڈھول بجاتے تھے۔ زیادہ تر ترکمانوں کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اگرچہ ہم جانتے تھے۔ کہ وہ لوگ بہت نڈر ہیں۔ لیکن پھر بھی یہی خیال کرتے رہتے تھے۔ کہ وہ ہمارا

مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور کہتے کہ وہ ہیں کیا کُتّے جو ہمارے سامنے آئیں۔ ہر شخص اپنی بہادری کی ڈینگیں مار رہا تھا۔ اور تو اور ہمارے آقا کی یہ حالت تھی۔ کہ شیخیاں کرتے کرتے مرا جاتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ ذرا آنے تو دو۔ دیکھو گے کیا مزہ آتا ہے۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ شاید یہ ہمیشہ ترکمانوں کو ذبح ہی کرتا رہا ہے۔ چاؤش بھی اپنی شیخیوں میں پھولا جا رہا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ ترکمانوں سے جب تک مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ انکی بابت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اُنکا مقابلہ بھی اُن ہی جیسا ہو۔ تو کر سکتا ہے۔ شیر کے لیے شیر ہی چاہیئے۔ اسوقت یہ شخص مونچھوں کو تاؤ دے دے کر خوب دون کی لے رہا تھا۔ ہمارے آقا کو اپنی حفاظت کی فکر سب سے زیادہ۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا۔ کہ میں حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے ہوں۔ اسلیئے اس نے کیا کیا۔ کہ عمامہ کے گرد ایک سبز ململ کا ٹکڑا باندھ لیا۔ یہ امیر ہونے کی پہچان تھی۔ اور اس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ آنحضرتؐ کی اولاد سے ہے +

ولیم۔ حضرت عمرؓ اور آنحضرتؐ کون تھے۔ انکا حال تو بیان کیجیے۔

حاجی بابا۔ اچھا سُنو!۔ تھوڑا سا حال حضرت عمرؓ کا تو یہ ہے۔ کہ یہ خاندان قریش سے تھے۔ یہ وہ خاندان ہے۔ جس میں مسلمانوں کے پیغمبر پیدا ہوئے۔ ان کے باپ کا نام خطاب تھا۔ ان کی

بیٹی حفصہؓ کا نکاح مسلمانوں کے پیغمبر سے ہُوا تھا پیغمبر اسلام (صلعم) کی وفات کے بعد یہ دوسرے خلیفہ ہوئے۔ غالباً یہ ۲۳ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے زمانہ میں مسلمانوں نے بہت سے ملکوں پر چڑھائی کی۔ اور ان کو جیتا ان کی قبر مدینہ میں ہے۔

آنحضرت سے مسلمانوں کے پیغمبر مراد ہیں۔ ان کا نام محمد (صلعم) تھا۔ ان کے باپ عبداللہؓ اور ماں آمنہؓ تھیں یہ مکہ میں ۵۳ سال ہجرت سے پہلے پیدا ہوئے۔

ولیم ۔ ہجرت کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا ۔ مکہ میں محمد (صلعم) کو جب لوگوں نے بہت ستایا۔ تو یہ مدینہ چلے گئے تھے۔ اسی سال سے ہجری کا سن شروع ہوا ہے۔ یہ مسلمانوں کا عربی سال ہے۔ خیر۔ جب رسول اللہ چالیس برس کے ہُوئے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم خدا کے رسول ہیں۔ اور اس طرح انہوں نے اسلام کی داغ بیل ڈالی لوگوں نے ان کو بہت تکلیفیں دیں۔ لیکن یہ برابر اپنا کام کرتے رہے۔ ۱ھ میں یہ مکہ سے مدینہ چلے گئے۔ اور پھر دس سال زندہ رہ کر انتقال کر گئے۔ ان کی حالت کہاں تک بیان کی جائے۔ اس کے کہنے کے لئے تو ایک دفتر چاہیئے۔ اسلئے میں نے تھوڑا سا حال بیان کر دیا۔ جب تم کتابیں پڑھو گے۔ تو تم کو معلوم ہوگا۔ کہ یہ کتنے عقلمند آدمی تھے۔ اور انہوں نے

کتنا بڑا کام کیا۔ اور لوگوں کو کسطرح اچھے کاموں میں لگایا۔ انہوں نے جو کچھ سکھایا ہے۔ اسکو کوئی اگر جاننا چاہے۔ تو ان کی مذہبی کتاب "قرآن مجید" میں دیکھ لے۔ جو مسلمانوں کے خیال میں آسمان سے اُتری ہے۔ اور ایک فرشتہ جبرئیل ان کے پاس خدا کی طرف سے لیکر آتا تھا۔ یہ کتاب بازار میں ہر جگہ مل سکتی ہے۔ اور دوسری زبانوں میں بھی اسکے ترجمے ہو گئے ہیں۔ انگریز لوگ بھی اس کو بڑی اچھی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اخترمہ۔ اچھا۔ تو عثمان آغا آنحضرت کی اولاد بنا ہوا تھا آگے فرمایئے

حاجی بابا۔ ہم اسی طرح چلے جارہے تھے۔ اتنے میں چاؤش نے آکر قافلہ والوں سے کہا۔ کہ وہ جگہیں آگئی ہیں۔ جہاں وہ بیٹھے ہوئے قافلہ کو تاکا کرتے ہیں۔ سب لوگ تیار ہو گئے۔ اور ہمارے مالک کی تو جان ہی نکل گئی۔ تلوار اتار اپنے اسباب والے خچر پر باندھ دی۔ اور پیٹ کے درد کا بہانہ کرکے آہ اوہ کرنے لگا۔ اب وہ ساری باتیں کافور ہو گئیں۔ اور دبک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ چہرہ پہ ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ اور استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھ رہا تھا۔ اب وہ بالکل ڈرپوک معلوم ہوتا تھا۔ اور اس نے اپنے کو اپنی قسمت پر چھوڑ رکھا تھا ہمارے آقا کو اگر کچھ اطمینان تھا۔ تو چاؤش کی باتوں پر۔ جو کہہ رہا تھا۔ ہمارے پاس ایسے ایسے تعویز ہیں۔ جن کے

ہوتے ہوئے نہ تو ترکمانوں کے تیر کچھ کر سکتے ہیں۔ اور نہ تلوار۔ دو ایک شخص اور بھی تھے۔ دو بڑے بہادر گنے جاتے تھے۔ اور وہ آگے آگے چل رہے تھے۔ ہر شخص اپنی بہادری دکھانے کے لیے ادھر اُدھر گھوڑے کداتا پھرتا تھا۔ برچھیاں پھراتا تھا۔ اور ان کو ہوا میں بھونکتا تھا۔ آخرکار وُہ وقت آ ہی گیا۔ جس سے سب ڈر رہے تھے۔ چند بندوقوں کی آوازیں سُنی گئیں۔ اور بہت بھیانک صدائیں کانوں میں آنے لگیں۔ ہر شخص ڈر کی وجہ سے سہم کر رہ گیا۔ اور لوگ سمٹ کر جانوروں کی طرح اکٹھے ہو گئے۔ لیکن جب ہم نے آنکھوں سے دیکھا۔ کہ بہت سے ترکمان ہماری طرف بڑھتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ تو ہوش اڑ گئے۔ اور اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے۔ جن میں ہمارا آقا بھی تھا۔ اُنکے دِل میں ایسا ڈر سمایا۔ کہ بہادری وہادری تو گئی۔ لگے چلانے۔ اے اللہ! یا امام! اے محمدؐ! ہم مرتے ہیں۔ ہم چلے۔ ہماری جانیں نکلیں خچر والوں نے تو یہ کیا۔ کہ خچروں کا سارا اسباب پھینک چلتے بنے۔ اور خچروں کو بھی لے گئے۔ جب دشمن سامنے آ گئے۔ تو وُہ تیر برسانے لگے۔ اور اسکے ساتھ ہی ہم لوگ ان کا شکار ہو گئے۔ چاؤش جو بڑی شیخیاں مار رہا تھا۔ وُہ تو سب سے پہلے سر پر پاؤں رکھ کے بھاگ گیا۔ ہم نے تو اس کے بعد نہ اس کا حال ہی سُنا۔ اور نہ صورت ہی دیکھیں۔ وُہ لوگ سامان کی طرف اور میرا مالک دو گٹھڑوں کے

بیچ میں چھپ گیا تھا۔ اور چپکے چپکے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک ترکمان نے اسکو دیکھ لیا۔ ترکمان کے چہرہ سے خونخواری برس رہی تھی۔ اس نے اس کو اسباب سمجھ کر اپنی پیٹھ پر ڈال لیا۔ میرے مالک نے اپنی گردن باہر نکالی۔ اور غایت خوشامد سے کہا۔ کہ مجھ پر رحم کرو۔ چھوڑ دو۔ اس نے بہت چاہا۔ کہ حضرت عمرؓ کی تعریف اور حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہہ کر ترکمان کو نرم کرے۔ لیکن یہ ساری باتیں بیکار تھیں۔

ولیم۔ ہم حضرت عمرؓ کا حال تو سن چکے۔ حضرت علیؓ کون تھے۔ ان کی نسبت تو فرمایئے۔

حاجی بابا۔ ان کے باپ کا نام ابی طالب تھا۔ یہ رسول اللہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور ان کی بیٹی فاطمہؓ کی ان کے ساتھ شادی ہوئی تھی۔ بچوں میں یہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور ہر مصیبت میں رسول اللہ کے ساتھ ساتھ رہے۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد یہ چوتھے خلیفہ ہوئے۔ یہ شیعہ مذہب کے پہلے امام ہیں۔ ان کے بعد دو ان کے صاحبزادے اور پھر ان کی اولاد ۹ گیارہ امام اور ہوئے۔ مذہب شیعہ ان بارہ اماموں سے منسوب ہے۔ اسیوجہ سے اسکو امامیہ مذہب بھی کہدیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ ۳۵ھ میں خلیفہ ہوئے۔ اور تھوڑے دنوں میں ایک شخص نے جس کا نام ابن ملجم تھا۔ ان کو نماز کی حالت میں زہر کی بجھی ہوئی تلوار سے مار ڈالا۔

اختر - ہاں - تو پھر عثمان آغا کی کیا حالت ہوئی -

حاجی بابا - عثمان آغا نے اس ترکمان کے بہت ہاتھ پاؤں جوڑے - لیکن اس پر کسی طرح کا اثر نہ ہوا - اور اس نے عثمان آغا کے سارے کپڑے اتار لئے - اور صرف کرتہ پاجامہ اُس کے بدن پر رہا - پھر وُہ میرے کپڑوں کی طرف بڑھا - میرے کپڑے بہت گندے تھے - اس لئے وُہ چھوڑ دیئے گئے - میرے استردں کا بکس بھی بچ گیا - لیکن قیدیوں میں ہم بھی آ گئے - جب ترکمان لوٹ مار کر چکے - تو قیدیوں کو آپس میں بانٹ لیا - ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی - اور ہر ایک ایک کے پیچھے گھوڑے پر بٹھا دیا گیا - ہم لوگ دن بھر چلتے رہے - رات کو ایک خندق میں سونے کے لئے ہمیں چھوڑ دیا گیا - ہم نے تو یہ راستے اپنی زندگی میں دیکھے نہ تھے - ہاں - ترکمان جانتے تھے - پہاڑی اور ایک اُجاڑ ملک سے گذر کر ہم ایک لمبے چوڑے میدان میں پہنچے - یہ اتنا بڑا تھا - کہ کنارے نظر نہ آتے تھے - یہاں ہمارے دشمنوں کے بہت سے ڈیرے، خیمے لگے ہوئے تھے - اور ترکمان ہی ترکمان دکھائی دیتے تھے -

حاجی بابا یہاں تک کہنے پائے تھے - کہ لڑکوں نے جمائیاں لینا شروع کر دیں - حاجی بابا نے داستان کو ختم کیا - اور یہ تینوں لڑکے دوسرے دن کا وعدہ کر کے وہاں سے چل دیے - اپنے اپنے گھر پہنچے - کھانا کھایا - اور پڑ کر سو گئے ÷

حاجی بابا کی قید کی حالت اور اُسترے کا طفیل

دوسرے دن اختر، کرشن اور ولیم تینوں لڑکے اپنے وقت پر آ گئے۔ اور قصہ کہنے کی فرمائش کی۔ حاجی بابا نے یوں کہنا شروع کر دیا۔ ترکمانوں نے جب قیدیوں کو بانٹا۔ تو ہم اور ہمارا مالک ایک ہی شخص کے حصہ میں آئے۔ اس شخص کو ارسلان سلطان کہتے تھے۔ اس کے ڈیرے جہاں گڑے ہوتے تھے۔ اسکے پاس ایک ندی بہتی تھی۔ جسے مویشی چرا کرتے تھے۔ ہمارے ایسے اور لوگ جو گرفتار ہوئے تھے۔ ہمارے ایسے اور لوگ جو گرفتار ہوئے تھے۔ ان کو ترکمان بڑے دُور دُور ملکوں میں لیکر چل دیئے تھے۔

جب ہم وہاں پہنچے۔ تو سب آدمی ہمارے دیکھنے کو اُمنڈ آئے اس وقت ہمارے قیدی بنانے والوں کو زور زور سے مبارکباد دی جا رہی تھیں۔ کتے ہمیں اجنبی دیکھ کر ایسے بھونک رہے تھے۔ کہ توبہ توبہ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ ہم کو کھا ہی ڈالیں گے۔ ہمارے آغا کے سبز دوشالے نے اس کی بہت عزت بڑھائی لیکن جب سردار کی بیوی کی نظر اس پر

پڑی۔ تو اس نے لے ہی لیا۔ اور اب ہمارے آقا کے پاس عمامہ اور ہمیانی کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ یہ بھی غنیمت تھا۔ کہ عمامہ اب تک بچا ہوا تھا۔ اسی وقت اسکی دوسری بیوی کی نظر اس عمامہ پر پڑی۔ اور اس نے بھی سر سے اتروا لیا۔ کہ اس سے گھوڑے کی زین کا کام لیا جائے ممکن ہے عمامہ ایک کونے میں بیکار چیزوں میں پھینک دیا گیا عثمان آغا کہ کہیں یہ بھی نہ اڑ جائیں۔ اب انکو عمامہ کے بدلے ایک چمڑے کی ٹوپی پہننے کو ملی۔ یہ ایک پرانے قیدی کی تھی۔ جو اپنی زندگی ختم کر چکا تھا۔

جتنے آدمی مرتے جاتے تھے۔ ان کی ٹوپیاں ہمارے مالک کے پاس آتی جاتی تھیں۔ عثمان آغا کی اب نوکری بولی گئی۔ کہ وُہ پہاڑوں پر اونٹوں کو چرایا کرے۔ اور اُنکی رکھوالی کیا کرے۔ کیونکہ یہ ڈبل اور بھاری جسم کا تھا۔ اس لئے بھاگ جانے کا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ مجھے ڈیروں سے باہر بھی نہ نکلنے دیتے تھے۔ اور چمڑے کے تھیلوں کو صاف کرنا اور تیل ملنا مجھے سونپا گیا تھا۔ یہ کام مَیں بہت ہوشیاری سے کرتا تھا۔ اور محنت سے بھگتا یا کرتا تھا۔

اس فتح کی خوشیاں منانے کے لئے انہوں نے اپنے لوگوں کی دعوت کی ایک بڑی دیگ میں چاول اور دو بھیڑوں کا گوشت ڈال کر اُبالا گیا۔ لوگ اِدھر اُدھر کے ڈیروں سے نکل نکل کر آنے لگے۔ ان میں زیادہ تر وُہ لوگ تھے۔ جنہوں نے ہم پر چھاپہ مارا تھا۔ یہ

یہ سب ایک ڈیرے میں اکٹھا ہو گئے۔ عورتیں دوسرے ڈیرے میں جمع ہوئیں۔ جب پلاؤ مردوں کو کھلا دیا گیا۔ تو عورتوں نے کھانا شروع کیا۔ جب عورتیں بھی کھا چکیں۔ تو چرواہوں کے لڑکوں کو کھلایا گیا۔ جب وُہ بھی کھا چکے۔ تو سب کا بچا کھچا، چچوڑی ہوئی ہڈیاں گدیاں کُتوں کے آگے لا کر ڈال دی گئیں۔ میں دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا۔ کہ دیکھیں ہمارے حصہ میں کیا آتا ہے۔ اتنے میں ڈیرے سے ایک عورت پیچھے سے آ کر رکابی لے نے۔ میں گیا۔ تو دیکھا۔ کہ رکابی چاول سے بھری ہوئی ہے۔ اور اس پر بھیڑ کی دُم کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا ہے۔ یہ سردار کی بیوی تھی۔ جس نے مجھ پر ترس کھایا۔ اور کہا کہ یہ رکابی جلد لیکر چل دے۔

آج کا دن تو ایک دوسرے سے باتیں کرنے اور حُقّہ پینے میں کٹ گیا۔ عورتیں دفوں پر گانے لگیں۔ ہم اپنی مصیبت پر خون کے آنسو بہا رہے تھے۔ اور گردن جھکائے ہُوئے بیٹھے تھے۔ یہ عنایت اور مہربانی جو مجھ پر کی گئی تھی۔ خیال ہُوا کہ ہم کو کچھ کرنا چاہیئے۔ کچھ امید تو بندھ ہی گئی تھی۔ دِل میں آیا۔ کہ اپنے ساتھی کو بھی خوش کروں۔ اور اس کو رنج سے چھڑاؤں۔ لیکن میری ساری تدبیریں بیکار تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ اللہ مالک ہے۔ ہر حالت میں اسکو یاد رکھنا چاہیئے۔ سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں جواب دیا۔ "تمہارے لئے اللہ ہے۔

تمہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ جسکا ایک حصّہ بھی نہیں گیا۔ میرے لئے نہیں ہیں تو بالکل لُٹ گیا"۔ اس کا اس مصیبت میں پڑنا اس کے لالچ کی وجہ سے تھا۔ بھیڑوں کے چمڑے نے اسکو یہ دن دکھائے تھے آخرکار ہم دونوں بہت جلد سو گئے۔ صبح ہوتے ہی ہمارے سردار عثمان آغا کو پچاس اونٹوں کے ساتھ بھیجدیا۔ اور کہا۔ کہ انکی اچھی طرح رکھوالی کرو۔ اگر اس میں سے ایک بھی کھو گیا۔ تو تیرے دونوں کان اور ناک کاٹ ڈالی جائیگی۔ اور اگر ان میں سے کوئی مر گیا۔ تو فدیہ کی روپیہ میں ادا تیری کی جائے گی۔

کرشن۔ فدیہ کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ وُہ روپیہ جو غلام کو غلامی سے چھڑانے کے لیئے دیا جاتا ہے۔

اختر۔ ہاں۔ تو پھر کیا ہُوا؟

حاجی بابا۔ جونہی یہ آواز میرے کان میں پڑی۔ چھٹنے کا ذکر سن کر مجھے کچھ ڈھارس سی ہوئی۔ پہلے تو میں نے اپنے مالک کو اونٹ کی زین پر بٹھایا۔ اور پھر تھوڑا سا پانی لاکر ایک صابن کا ٹکڑا آگے رکھ لیا۔ اور استرا اٹھا کر سب کے سامنے اس کی حجامت بنائی میں جانتا تھا۔ کہ میری قابلیت مجھے ضرور فائدہ پہنچائے گی جب لوگوں کو معلوم ہُوا۔ کہ میں حجامت خوب بناتا ہوں۔ تو لوگ حجامت بنوانے کیلئے میرے پاس آنے لگے۔ ہوتے ہوتے یہ آواز میرے سردار کے کان تک پہنچی۔ اُس نے

مجھے اپنے پاس بلایا۔ اور مجھ سے حجامت بنوائی۔ میں نے اُسکے بڑے سے سر کو خوب مونڈا۔ سر پر بہت سے زخم پڑے ہوئے تھے۔ اور وُہ ایسا کھردرا تھا۔ جیسے کنکروں کا ٹیلہ۔ جب اس نے اپنی بنی ہوئی حجامت دیکھی۔ تو بہت خوش ہُوا۔ کیونکہ اُس نے کسی شہری حجام کے اُسترے کو کبھی نہ دیکھا تھا۔ میرے حجامت بنانے سے اسکو ایسا آرام ملا۔ جیسے وُہ بہشت میں بیٹھا ہُوا ہو۔ اس نے بہت خوش ہوکر اپنی ملازمت میں رکھ لیا۔ اور کہا۔ کہ میں تیرا کبھی فدیہ نہ لونگا۔ میں نے اس پر ایسا ظاہر کیا۔ جیسے کہ میں اس بات سے بہت خوش ہُوا ہوں۔ میں نے جھک کر اپنے آقا کے پیروں پر بوسہ دیا۔ میں سوچ رہا تھا۔ کہ یہ بُری سائی۔ کچھ ایسی تدبیر ہونا چاہیئے۔ کہ میں یہاں سے صاف نکل جاؤں۔ میں اس کے پاس اکثر رہتا تھا۔ اور اس کی طبیعت کو جانچتا رہتا تھا۔ گو اب بھی میری دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ لیکن پھر بھی اپنے چھٹکارے کی تدبیریں سوچتا رہا۔ جو بعد میں میرے کام آئیں۔ اور میں آئندہ اس بلا سے چھوٹ گیا۔

یہ قصہ یہاں تک ہو چکا تھا۔ کہ لڑکوں نے جانے کی اجازت چاہی۔ کیونکہ رات بہت گئی تھی۔ اس لئے حاجی بابا نے اپنی داستان ختم کی۔ اور یہ تینوں لڑکے اپنے اپنے گھروں کو پلٹ آئے۔

حاجی بابا کا چالاکی سے

اپنے آقا کا مال ہتھیا لینا

دوسرے روز پہلے کیطرح تینوں لڑکے جمع ہوگئے۔ اور حاجی بابا یوں قصہ کہنے لگے۔

سب سے پہلے جو تدبیر اپنے چھٹکارے کی میرے دل میں آئی۔ وُہ یہ تھی۔ کہ عثمان آغا کی اشرفیاں کسطرح ہاتھ لگیں۔ جس عمامہ میں وُہ اشرفیاں تھیں۔ وُہ ایک عورت کے ڈیرے کے کونے میں پڑا ہوا تھا۔ اور میں وہاں تک پہنچ بھی نہ سکتا تھا۔ یہاں اس بات کی زیادہ ضرورت تھی۔ کہ وُہ اس طرح اڑائی جائیں۔ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ مَیں تمام میں ایک حجام مشہور ہوگیا۔ اور سب لوگ مجھ سے محبت کرنے لگے۔ مَیں تو اسی انتظار میں تھا۔ کہ میرے سردار کی بیوی یا اور کوئی عورت مجھ سے کسی قسم کا کام لے۔ لیکن یہ اب تک نہ ہوسکا تھا۔ بانو سے صرف کنکھیوں سے باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اس سے یہ تو معلوم ہوگیا تھا۔ کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ مَیں اسکی محبت کا شکریہ ادا کرتا تھا۔ اور میں پھولا نہ سماتا تھا۔

لوگ جان گئے۔ کہ ایران کے نائی صرف سر مونڈنا ہی نہیں جانتے بلکہ پھوڑے پھنسیوں کی چیر پھاڑ بھی جانتے ہیں۔ اور فصد بھی کھول

سکتے ہیں۔ دانت نکال سکتے ہیں۔ اور ٹوٹا عضو جوڑ سکتے ہیں۔ ارسلان کی بیوی کو فصد کھلوانے کی ضرورت ہوئی۔ اس نے میرے پاس کہلا بھیجا۔ کہ اگر تم کو فصد کھولنا آتی ہے۔ تو میری فصد کھول دو۔ میں نے کچھ نہ پوچھا۔ کہ اچھی گھڑی ہے یا نہیں۔ کہلا بھیجا۔ میں فصد کھولنا اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور اس کا سب سامان بھی میرے پاس موجود ہے۔ میں نے اسمیں جلدی اس وجہ سے کی۔ کہ شاید وہ مال ہاتھ لگ جائے۔ وہاں جوتشی بھی تھا۔ اس نے کہا۔ کہ صبح کیوقت دو سیارے آپسمیں ملینگے۔ اس نیک گھڑی میں مجھ کو بلایا گیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ ایک چادر زمین پر بچھی ہوئی ہے۔ ارسلان سلطان کی بیوی اس پر بیٹھی ہوئی ہے۔ اور میری راہ دیکھ رہی ہے۔

یہ عورت ایسی چلتی ہوئی نہ تھی۔ کہ میری باتوں کو کسیطرح سمجھ جاتی اسکا قد لمبا اور بے ڈھنگا تھا۔ مجھے اسے دیکھ کر کچھ کراہت سی ہوئی لیکن مجھے ڈر تھا۔ کہ اگر اسکی طبیعت کے خلاف کوئی بات ہوئی۔ تو کانوں کی خبر نہیں۔ لیکن اس عورت نے مجھ پر بڑی مہربانی کی۔ اسکی ساری سہیلیاں مجھ پر جھکی ہوئی تھیں۔ اور نہ معلوم مجھے کیا سمجھتی تھی جب میں بانو کی فصد کھولنے چلا۔ تو میری نظر اس چیز پر پڑی۔ جو میں چاہتا تھا۔ میں نے سوچا۔ کہ کسی طرح یہ ہاتھ لگ جائے۔ اور کسی کو کسی طرح کا شک بھی نہ ہو۔ میں نے ذرا غور کے ساتھ بانو کی نبض کو دیکھا اور کہا کہ کام بڑا مشکل ہے۔ خون ایک جگہ جمع کر لینا چاہیئے۔ تاکہ فرصت

کہ وقت اسکو اچھی طرح دیکھا جا سکے۔ میری اس بات سے عورتوں میں گڑبڑ مچ گئی۔ بانو میری خواہش کو پورا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن انکے یہاں کوئی ایسا برتن کہاں جو اس کیلئے دیا جاتا۔ اور پھر کام میں نہ لایا جاتا۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے خیال کیا۔ کہ میں ہی اس چیز کو بتاؤں لیکن آخر کار بانو کو خود خیال ہوا۔ اور اس نے ایک عورت سے کہا۔ کہ ذرا ڈیرے کے کونے میں جا کر تو دیکھ۔ جب وہاں دیکھا گیا۔ تو پیالہ رکھا ہوا تھا۔ وہ میرے پاس لایا گیا۔ میں نے سب کو دکھایا۔ کہ اس سے روشنی معلوم ہوتی ہے۔ اور پھر اپنے ہی نشتر سے اسکے پانچ چھ ٹکڑے کرڈالے

بانو ۔ اس پرانے امیر کی ٹوپی کہاں ہے؟

ترکمان کی دوسری بیوی ۔ وہ تو میری ہے۔ میں نے اپنی زین درست کرنے کے لئے لی ہے۔

بانو ۔ خوب! کیا میں اسکی بیوی نہیں ہوں میں اسے ضرور لونگی۔

دوسری بیوی۔ میں تو نہ دونگی۔

اس طرح خوب جھگڑا ہونے لگا۔ اور اتنی چیخ پکار ہوئی۔ کہ میں پناہ مانگنے لگا۔ اور کہیں اسلان سلطان کے کان تک یہ آواز نہ پہنچ جائے۔ اور وہ ایک ایک قصہ چکا دے۔ لیکن قسمت اچھی تھی۔ کہ وہی نجومی پھر آ گیا۔ اور اس نے دوسری بیوی سے کہا۔ کہ یاد رکھنا اگر کوئی بری بات ہو گئی۔ تو بانو کا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔ اس نے جیسے ہی یہ سنا۔ ٹوپی دینے کے لئے راضی ہو گئی۔ میں جلدی سے فصد

کھولنے پر تیار ہو گیا۔ اور نشتر نکالکر آگے بڑھا۔ جیسے ہی بانو نے نشتر اور وُہ ٹوپی دیکھی۔ جسمیں خون اکٹھا کیا جانے کو تھا۔ اور ان عورتوں کے چہروں کو دیکھا۔ جن پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ تو وُہ بہت ڈری۔ اور کہنے لگی۔ کہ میں فصد نہ کھلواؤنگی۔ مَیں ڈرا۔ کہ میری ساری محنت اکارت ہوئی جاتی ہے۔ مَیں نے اُسے گھور کر دیکھا۔ اور اسکی نبض کو زور سے پکڑ کر کہا۔ کہ بانو یہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آپ کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ آپ فصد کھلوائیں گی۔ اور اس میں آپ کا خون گرے گا۔ بانو نے تو اسکا جواب کچھ نہ دیا۔ لیکن اور عورتیں اس پر زور دینے لگیں۔ اور کہا۔ کہ بانو تم بہت بڑا گناہ کر رہی ہو۔ تقدیر سے جھگڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ بانو نے اپنی آستین چڑھا کر آگے کر دی۔ اور مَیں نے نشتر چھونکدیا۔ فصد کھولتے ہی خون ٹوپی میں لے لیا گیا۔ جب پٹی دی باندھ دی گئی اور پورا کام ہو گیا۔ تو مَیں نے کہا۔ کہ یہ خون خیمہ سے کچھ دور لے جایا جائیگا۔ اور میرے سوا اسکو کوئی نہ چھوئے گا۔ کیونکہ بہت سی برائیاں بھلائیاں اس خون ہی سے سمجھی جا سکتی ہیں۔ غرضیکہ مَیں اس خون کو اُٹھا کر اپنی جگہ پر لے آیا۔ دن بھر مَیں نے کچھ نہ کیا۔ جب رات ہوئی اور سب سو گئے۔ تو مَیں نے ٹوپی پھاڑی اور سب اشرفیاں اسمیں سے نکال لیں۔ پھر اسی وقت اسکو زمین میں گاڑ دیا۔ اور پھر ایک گڑھا کھود کر پیالہ بھی اس میں دبا دیا +

صبح تڑکے مَیں نے بانو سے کہلا بھیجا۔ کہ رات کو مَیں نے تمہارے

خیموں کے چاروںطرف بھیڑیوں کو شور مچاتے ہُوئے سُنا۔ تو مَیں نے اس خون کو زمین میں گاڑ دیا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ خون اِدھر اُدھر گر جائے۔ اس سے بانو کو اطمینان ہو گیا۔ بانو نے ایک بکری کا بچہ پکایا۔ جمیں اس نے چاول اور کشمش بھرے تھے۔ اور ایک کے برتن دودھ۔ یہ سب میرے پاس بھیجا۔

جب میں نے سوچا۔ کہ اشرفیاں تو میرے ہاتھ لگ گئیں۔ اور اسکا مالک پہاڑوں پر اونٹ چرانے میں تکلیف اُٹھا رہا ہے۔ تو کچھ میرے دلمیں آیا کہ وُہ اشرفیاں اُسے واپس کردوں لیکن لالچ بُری بلا ہے۔ میں اپنے دِلمیں کہنے لگا۔ کہ سب میری محنت اور چالاکیوں سے ہُوا۔ ورنہ روپیہ تو گیا ہی تھا۔ اسلئے اس روپیہ کا حقدار مجھ سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ روپے اُسے دے بھی دوں۔ تو وُہ کرے گا کیا۔ پھر چلے جائینگے۔ اور اب تو میں اس کا مالک ہوں ہی۔ تقدیر میں ہی یہ لکھا تھا۔ کہ اسکے پاس سے یہ روپے جاکر میرے پاس آجائیں۔ یہ ساری باتیں دِل میں بنا کر مَیں نے اپنے کو اصلی مالک سمجھ لیا۔ کہ یہ مال صرف میرا ہی ہو سکتا ہے۔ اور کوئی اسے نہیں لے سکتا۔ لیکن ابھی کیسا تھا یہ خیال ہُوا۔ کہ کم سے کم بکری کا بچہ جو بانو نے بھیجا ہے کسیطرح اسمیں سے آدھا عثمان آغا کو بھیج دوں کیونکہ میرا جی چاہتا تھا۔ کہ میں اپنی دولت سے اسکو بھی فائدہ پہنچاؤں۔ ایک گوالے کے لڑکے کو ڈھونڈھا۔ جو اسکے پاس جارہا تھا۔ اوپر کی بالائی تو مَیں نے اُسے کھلا دی۔ اور کہا۔ کہ یہ چیزیں عثمان آغا کو پہنچا دو۔ اُس نے قسم کھائی کہ میں سب کی سب اُسے پہنچا دونگا۔ لیکن افسوس کہ ابھی اس نے نالہ ہی پار کیا تھا۔ اور میرے سامنے

ہی تھا۔ کہ اس نے بکری کے بچہ کو کھولا۔ اور چٹ کرنا شروع کر دیا۔ شاید وہاں پہنچتے پہنچتے ہڈیاں تک چچوڑ گیا ہو گا۔ اور بیچارے عثمان آغا کو اسکا پتہ تک نہ دیا ہو گا۔ کیونکہ دور نکل گیا تھا۔ اسلئے اسکا پیچھا کیا کرتا۔ دو تین پتھر زمین سے اٹھا کر اس کی طرف پھینک مارے لیکن اسکے ایک بھی نہ لگا۔ بہت سی گالیاں دیں۔ لیکن اسکے کانوں تک بھی نہ پہنچیں۔ دل کی لگی کو اسطرح بجھایا۔ کہ اچھا بچا! جاؤ۔ اس کا کھانا زہر ہو کر لگے ؛

یہاں تک قصہ پہنچا تھا۔ کہ رات کے دس بج گئے۔ اور لڑکوں کے سونے کا وقت آ گیا۔ قصہ ختم کر دیا گیا۔ اور یہ تینوں لڑکے اُٹھ کر اپنے گھروں کو چلے گئے ؛

حاجی بابا کا ڈاکو بن کر

اپنے شہر پر چھاپہ مارنا

دوسرے دن شام کو یہ تینوں لڑکے پھر پہنچے۔ حاجی بابا نے انہیں دیکھکر کہا۔

حاجی بابا۔ کیوں بھائی! تمہیں یہ قصہ اچھا بھی معلوم ہو رہا ہے ؟ دل تو نہیں گھبراتا ؟

اختر۔ واہ صاحب! اگر دل گھبراتا۔ تو آتے ہی کیوں۔

ولیم۔ بھئی میری تو یہ حالت ہو گئی ہے۔ کہ دن بھر یہ سوچتا رہتا ہوں۔ کہ کب شام ہو۔ اور ہم جائیں۔

کرشن۔ بھائی بڑے مزے کا قصہ ہے۔

حاجی بابا۔ ابھی کیا ہے۔ آگے چلکر دیکھنا۔ کیا ہوتا ہے۔ اور کیسا مزہ آتا ہے۔

اختر۔ تو پھر شروع کیجیے۔

حاجی بابا۔ ہاں۔ تو کہاں سے کہنا چاہیئے۔

کرشن۔ وہ گوالے کا لڑکا بکری کا بچہ سب کا سب کھا گیا۔ اور آپ کچھ نہ کر سکے۔

حاجی بابا۔ اچھا۔ دوستو!

میں ایک سال ترکمانوں کی قید میں رہا۔ اور میرا مالک مجھ پر بہت بھروسہ کرتا تھا۔ بلکہ اپنے راز کی باتیں بھی مجھ سے کہہ دیتا تھا۔ اپنی پرائی باتوں

میں مجھ سے مشورہ لیتا تھا۔ اور مجھ کو بڑا اچھا آدمی سمجھتا تھا۔ مَیں نے اِس سے خواہش کی۔ کہ جب وُہ لوٹ مار میں جایا کرے۔ تو مجھے بھی لے جایا کرے اس سے میرا مقصد یہ تھا۔ کہ اسی طرح اس قید سے چھٹکارا پا جاؤں۔ جب اسے مجھ پر پُورا بھروسہ ہو گیا۔ تو اس نے یہ بات بھی میری مان لی۔ کیونکہ میں پہلے خیموں سے بھی نہ نکل سکتا تھا۔ اسلئے وہاں کی راہیں بالکل نہ جانتا تھا۔ سمجھ ہی میں نہ آتا تھا۔ کہ کسطرح بھاگ جاؤں۔ خیال کرتا تھا اگر میں بھاگ گیا۔ اور پھر پکڑ لیا گیا۔ تو بہت بُری گت بنائی جائیگی۔ میں اپنے سردار کیساتھ اسوجہ سے بھی جانا چاہتا تھا۔ کہ میں یہاں کی راہوں کو تو جان لوں۔ تاکہ اگر کبھی بھاگنے کا موقع ملے۔ تو بھاگ تو سکوں۔

ترکمان زیادہ تر بہار کے موسم میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان دنوں پہاڑوں میں مویشیوں کے لئے چارہ گھاس بہت ہوتا ہے۔ اور آدمیوں کو بھی کھانا مل جاتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی۔ کہ اسی زمانہ میں قافلے بھی بہت آتے جاتے رہتے تھے۔

ارسلان سلطان نے اپنے خاندان کے سرداروں کو بلایا۔ اور اُن سے کہا۔ کہ اب ایران پر چھاپہ مارنا چاہیئے۔ اصفہان میں ایک کاروان سرائے ہے۔ وہاں آدھی رات میں جا اس کو لوٹ لینا چاہیئے۔ اس کاروان سرا میں بڑے بڑے لوگ اور سوداگر ٹھہرتے ہیں۔ یہ لوگ میدانوں جنگلوں کی راہوں کو تو جانتے ہی تھے۔ لیکن اصفہان کی سڑکوں اور گلیوں سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ ایک میں تھا۔ جو اسکے چپہ چپہ

کو جانتا تھا۔ ارسلان سلطان نے لوگوں سے کہا۔ کہ یہ اصفہان سے اچھی طرح واقف ہے۔ اسلئے اسکو اپنا رہنما بنانا چاہیئے۔ لوگ کہنے لگے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ بالکل بے عقلی کی بات ہے۔ اس شخص کو اپنا رہنما بنایا جائے۔ جو وہاں پیدا ہُوا۔ پلا، بڑھا۔ اور اتنا بڑا ہُوا۔ اس کو ذرا موقع مل گیا۔ تو صاف بھاگ جائیگا۔ اور پھر اپنا پتہ بھی نہ دیگا۔ لیکن بہت بحث کرنے کے بعد سب نے مان لیا۔ کہ میں اُن سب لوگوں کا رہنما بنوں لیکن دو شخص میرے اِدھر اُدھر دیکھ بھال کرتے رہیں۔ اگر ان کو میری کسی بات میں ذرا بھی شبہ ہو۔ تو میرا کام تمام کر دیں۔

جب یہ ساری باتیں طے ہوگئیں۔ تو ہم تیاری میں لگ گئے۔ مجھے ایک گھوڑا دیا گیا۔ جو دو بازی جیت چکا تھا۔ ایک بڑی ٹوپی میرے سر پر رکھ دی گئی۔ جو بھیڑ کے چمڑے کی بنی ہوئی تھی اور ایک کھال کا کوٹ میرے جسم میں پہنا دیا گیا۔ میں نے تیر اور گبان کندھے پر ڈال لئے اور ایک ترکمانوں کی طرح نیزہ ہاتھ میں لے لیا۔ ایک توبرے میں گھوڑے کے لئے جو لے لئے۔ اور ایک رسّی اسے باندھنے کے لئے اپنے پاس رکھ لی۔ کچھ کھانے کے لئے بھی رکھ لیا۔ جس میں مُرغی کے انڈے تھے۔ اور کچھ روٹیاں۔ قید کے دنوں میں جو کچھ ملتا تھا۔ کھا لیتا تھا اور جو جگہ مل جاتی۔ لیٹ رہتا تھا۔ بستر پر لیٹنا اور تکئے دیکھے سب بھول گیا تھا۔ بچھونے کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی۔ ہمارے ساتھی ایسے ہی تھے۔ عثمان

آغا کو میں نے سمجھا دیا کہ تم گھبرانا نہیں جس وقت موقع لگا۔ میں تم کو ان لوگوں سے ضرور چھڑا دونگا۔ اور جہاں تک ہو سکیگا میں تمہارے عزیزوں سے ملکر فدیہ دلا دونگا۔ بیچارے نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ اور کہا۔ اے بھائی! میں ہوں ہی کیا۔ جو کوئی میرا خیال کرے۔ اور میرا غم کھائے۔ بیٹا خوش ہو گا۔ کہ اتنی دولت مل گئی۔ بیوی سمجھتی ہو گی۔ کہ میں مر گیا۔ اور وہ بکھیڑے اڑا رہی ہو گی۔ میرے لئے ہر طرف سے ناامیدی ہے۔ میرے تو پیر ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ہاں ذرا سا میرا کام ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ذرا پوچھ لینا۔ کہ قسطنطنیہ میں بخارا کے چھڑے کا کیا بھاؤ ہے۔ اور مجھ سے کہلا بھیجنا۔ میرا دل اس کی باتوں سے بہت کڑھا اور سوچا۔ کہ اسکی اشرفیاں واپس دے دوں۔ لیکن پھر سوچا۔ کہ اس روپیہ کا میرے پاس ہونا فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ سے میں یہاں سے چھٹکارا پا سکتا ہوں۔ اور جب میں چھوٹ گیا۔ تو کسیطرح سے اسکو بھی چھڑا دونگا۔ اگر میں نے یہ اسکو دیدیا۔ تو میرا یہاں سے چھوٹنا دشوار ہے۔ اور میں نہ چھوٹا۔ تو یہ بھی یہیں پڑا سڑا مر جائیگا۔ یہ ساری باتیں سوچ کر میں نے طے کر لیا۔ کہ اسکو روپیہ نہ دیا جائے۔ اور اپنے پاس رکھا جائے۔ تاکہ اسکے ذریعہ اسکو چھڑایا جا سکے۔ میں اس کے خرچ کرنے کا طریقہ جانتا ہوں۔ وہ اونٹ چرانے والا کیا جانے۔ یہ ساری باتیں گھڑ کر روپوں کو تو اپنا ہی کر لیا۔ اور اسکے مالک کو خدا کے سپرد کر دیا۔ نجومی نے جب اچھی گھڑی دیکھ لی۔ تو ہم نے رات ہوتے ہی کوچ

کیا۔ لوٹ مار کرنے والے بیس آدمی تھے۔ جنمیں بہت سے بہادر بھی تھے۔ یہ سب لوگ گھوڑوں پر سوار تھے۔ سوار جب چاندنی میں گھوڑے کداتے تھے۔ تو ہم لوگ انکو رستم وستان اور سام نریمان سمجھتے تھے۔

ولیم۔ ذرا ٹھہریے۔ یہ تو بتائیے۔ رستم دستان اور سام نریمان کون تھے؟

حاجی بابا۔ یہ دونوں ایران کے پہلوانوں کے نام ہیں۔ اگر ان کا سارا حال کہا جائے تو بہت دیر ہو جائے گی۔

کرشن۔ تھوڑا تھوڑا تو بیان کر ہی دیجیے۔

حاجی بابا۔ تو ان کا حال بیان کروں؟

اختر۔ ہاں۔ ہاں۔

حاجی بابا۔ اچھا سُنو۔ سام سیستان کا رہنے والا تھا۔ جو ایران میں ہے۔ اسکے باپ کا نام نریمان تھا۔ یہ ایک بہت بڑا پہلوان گزرا ہے۔ اسکے بیٹے کا نام زال تھا۔ جو رستم کا باپ تھا۔ فردوسی نے ایک مثنوی لکھی ہے۔ جسمیں اسکی ساری لڑائیوں کا حال لکھا ہے۔

کرشن۔ مثنوی کس کو کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ یہ شعر کی ایک قسم ہے۔ جسمیں کسی قصہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ یا کم سے کم کسی لمبے واقعہ کو بیان کیا جاتا ہے۔

اختر۔ کیا فردوسی کوئی شاعر گزرا ہے۔ جس نے یہ مثنوی کہی ہے؟

حاجی بابا۔ ہاں۔ یہ ایک شاعر تھا۔ جو طوس میں پیدا ہوا۔ اس نے محمود غزنوی کے حکم سے ایک مثنوی پچاس ہزار شعروں کی لکھی تھی۔

چڑھاؤ۔ راستوں کے الجھاؤ۔ اور ایسے ہی بہت سی باتوں کو دیکھ دیکھ کر میں تو سہما جاتا تھا۔ لیکن وُہ سب اپنے گھوڑوں کو کداتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ اور ذرا بھی پروا نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم عراق کے میدان میں پہنچ گئے۔ جہاں نہ پانی تھا۔ نہ آدمی۔ ایک ہُو کا عالم تھا۔ اسوقت میں نے جانا۔ کہ اصلان سلطان سارے راستوں سے کتنا واقف ہے۔ تمام پہاڑوں دریاؤں۔ جنگلوں۔ جھاڑیوں ذرا ذرا سی بات سے واقف تھا۔ وُہ پیروں کے نشانوں کو دیکھ کر جان لیتا تھا۔ کہ جانے والا کس قسم کا آدمی ہے۔ کہاں سے آیا ہے۔ کہاں جا رہا ہے۔ بوجھ ہے یا نہیں۔ ان کی تعداد کیا تھی۔ میں اسکی ان باتوں پر تعجب کرتا تھا۔ ہم عراق کی آبادی سے نہایت احتیاط کے ساتھ نکل گئے۔ دن میں کہیں چھپ جاتے تھے۔ اور رات میں پھر چلنے لگتے تھے۔ ایک سو بیس فرسنگ چلنے کے بعد ہم اصفہان کے پاس پہنچ گئے۔

ولیم۔ فرسنگ کتنا ہوتا ہے؟

حاجی بابا۔ تین میل کا فرسنگ ہوتا ہے۔

اختر۔ ہاں۔ تو آپ اصفہان پہنچ گئے۔ پھر؟

حاجی بابا۔ اب بہادری کا وقت آگیا۔ ساتھی چھاپہ مارنے کی تدبیریں کرنے لگے اور میں سوکھا جاتا تھا۔ ان کا ارادہ تھا۔ کہ ہم اس

جس کا نام شاہنامہ ہے۔

ولیم۔ اچھا تو رستم کے اسمیں کیا واقعے لکھے ہیں؟

حاجی بابا۔ اسمیں رستم کی وہ لڑائیاں لکھی ہیں۔ جو کیکاؤس کیطرف سے افراسیاب کے مقابلہ میں رستم نے لڑی ہیں۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ رستم نے مہراب کی لڑکی تہمینہ سے شادی کی تھی۔ جس سے سہراب پیدا ہوا۔ اسکی زندگی کا سب سے بڑا واقعہ سہراب کو قتل کر ڈالنا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ جب سہراب تہمینہ کے پیٹ میں تھا۔ تو رستم چلا گیا تھا۔ کہ اسکا باپ رستم کیسا ہے۔ اور نہ رستم سہراب کو جانتا تھا۔ اس سمجھانے پر سہراب افراسیاب کی طرف سے رستم سے لڑا۔ آخر میں رستم نے دھوکہ دے کر سہراب کو قتل کر دیا۔ جب رستم کو معلوم ہوا۔ کہ یہ میرا لڑکا تھا۔ تو اسے بہت رنج ہوا۔ لیکن "پھر پچھتائے کیا ہوت ہے۔ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"۔ یہ تھوڑا سا حال میں نے تم سے بیان کر دیا۔

اب ہمارا قصہ سنو:۔

میں تھا ہی کیا۔ کبھی ڈرپوک کی باتیں کرتا تھا۔ اور کبھی بہادری کی شیخیاں مارتا تھا۔ تاکہ لوگ سمجھیں۔ کہ میں بھی کچھ ہوں۔ لیکن دل میں کہتا تھا۔ کہ اگر وقت آ گیا۔ تو کیا کرونگا۔

ہمارا رہنما برابر جنگلوں اور جھاڑیوں سے گذرتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اور میں اسکے ایسا کرنے پر اچنبھا کرتا تھا۔ جنگل کے آثار

راستوں سے شہر میں چپکے سے گھس پڑیں۔ جن کے دونوں طرف درخت ہوتے ہیں۔ جب لوگ سو جائیں تو ہم کارواں سرا پر ٹوٹ پڑیں۔ اور اسکو لوٹ لیں۔ اس زمانہ میں سرا سوداگروں اور مال سے بھری ہوتی تھی۔ یہ لوگ چاہتے تھے۔ کہ راتوں رات لوٹ مار کر کے جدھر سے آئے ہیں۔ ادھر ہی چلدیں۔ اور شہر والوں کو خبر بھی نہ ہو۔ میں نے اس رائے کو اچھا نہ سمجھا۔ لیکن ارسلان سلطان نے اس بات پر بُرا چہرہ بنایا۔ اور آنکھیں نکالکر کہا۔ کہ حاجی! ادھر دیکھو! یہ لڑکوں کا کھیل نہیں۔ ہم سدا یہی کرتے رہتے ہیں۔ جو ہمیشہ ہوتا ہے۔ وہی اب ہوگا۔ خدا اور رسول کی قسم، اگر تو میرے کہنے پر کام نہ کریگا۔ تو میں وہی کرونگا۔ جو مجھے تیرے ساتھ کرنا چاہیئے۔ پھر حکم دیا۔ کہ میں اس کو راستہ بتاؤں۔ ایک شخص کو میری دیکھ بھال پر مقرر کیا۔ کہ اگر ذرا بھی خلاف حرکت ہو۔ تو مجھے فوراً مار ڈالے۔ دونوں نے اس بات پر قسم کھائی۔ میں آگے بڑھا۔ اور گلی کوچوں سے گذرتا ہُوا آبادی کے بیچ میں آیا۔ شہر میں سناٹا چھایا ہُوا تھا۔ کسی کی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ ہم لوگ ایک کھنڈر میں ٹھہر گئے۔ سب نے اپنے اپنے گھوڑوں کو رسّی سے باندھ دیا۔ اور دو آدمیوں کو ان کی رکھوالی کے لیئے چھوڑ دیا۔ ہم نے کچھ سوچ کر اصفہان سے پانچ فرسنگ پر ایک مقام ٹھیرا لیا تھا۔ کہ اگر کوئی دوسری

صورت پیش آئے - تو ہم لوگ وہاں آ کر ٹھہر جائیں - اب ہم لوگ چپکے چپکے ان بازاروں کو چھوڑتے ہوئے جہاں پولیس کے آدمی ہوتے ہیں - گلیوں سے ہوتے ہوئے کارواں سرا کے دروازہ تک پہنچے - کیونکہ وہاں سے میرے باپ کی دوکان قریب تھی - اسلئے میں وہاں کے چپہ چپہ کو جانتا تھا - کارواں سرا کا دروازہ بند تھا میں نے ایک پتھر سے دروازہ کھٹکھٹایا - اندر دربان کو آواز دی کہ علی محمد! چلو دروازہ کھولو - قافلہ آیا ہے ۔

علی محمد - (آنکھیں ملتا ہوا دروازہ کے پیچھے سے) کیسا قافلہ - قافلہ کہاں سے آیا ہے؟

میں - بغداد سے ✦

علی محمد - جا بھی - اپنا کام کر - تو بھی آدھی رات میں مذاق کرنے آیا - بغداد کا قافلہ کل آگیا ✦

میں نے دیکھا - کہ برا پھنسا - بات بدل کر کہا - نہیں بغداد جانے والا قافلہ آیا ہے - حاجی بابا حسن حجام کا بیٹا بھی ساتھ ہے جو عثمان آغا کے ساتھ گیا تھا - اسکے باپ کو خوشخبری دینے آیا ہوا۔

دربان نے جب یہ سنا - تو کہا - اسے ہمارا حاجی بابا؟ بہت اچھا ✦

پھر چٹخنی کو زور سے کھولا - کاروانسرا کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلا - اور علی محمد صرف ایک کرتہ پہنے ہاتھ میں چراغ لئے ہوئے دکھائی دیا - میں نے فوراً اس کا منہ دبا دیا - اور اندر گھس کر

بہت چالاکی اور چستی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ انکو اتنی مہارت تھی۔ کہ مالکوں سے زیادہ مال کی جگہوں کو جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ دس منٹ میں سارا مال گھسیٹ لیا۔ کیونکہ انکا اصل مطلب مالداروں کو گرفتار کرنا تھا۔ تاکہ انکے سر بہا سے فائدہ اٹھائیں۔ اسلئے تین شخصوں کو چنا۔ اور جلدی سے انکے ہاتھ پاؤں باندھ گھوڑوں پر ڈال جنگل کی طرف رفو چکر ہو گئے۔

میں چونکہ کارواں سرا سے اچھی طرح واقف تھا۔ اور بڑے بڑے تونگروں کے کمروں کو خوب جانتا تھا۔ پس میں اس کمرہ میں گھسا۔ جسمیں پہلے عثمان آغا ٹھہرا تھا۔ میں نے وہاں ایک صندوق میں ایک تھیلی پائی۔ جسمیں سوداگر اپنا روپیہ رکھا کرتے تھے۔ بے دیکھے بھالے میں نے اسکو بغل میں دبا لیا۔ جب ہم لوٹ مار کر رہے تھے۔ تو شہر میں بڑا ہلڑ مچ گیا۔ کارواں سرا دالے سب کوٹھے پر بھاگ گئے۔ پڑوس کے لوگ بہت سے آنے لگے۔ یہاں تک کہ کوتوال اپنے کانسٹبلوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے پکڑنے اور باندھنے کی بجائے چلانا شروع کیا۔ پکڑو۔ باندھ لو۔ مار ڈالو۔ ہوشیار رہو۔ اور چند ہوائی فیر بھی کئے۔ لیکن کسی کے لگا نہیں۔ ہم جان چھڑا کر بھاگے۔ اس لے دے میں میں نے بہت چاہا۔ کہ اس منحوس راستہ کو چھوڑ دوں اور اگر ہو سکے۔ تو کہیں بھاگ جاؤں۔ لیکن ڈرا۔ کہ ایسا نہ ہو۔

کہ "چولھے سے نکالا۔ اور بھاڑ میں جھونکا" کی مثل ہو جائے۔ لوگ میری منحوس صورت دیکھیں۔ اور جب تک میں ثابت کردوں۔ کہ میں وُہ نہیں ہوں۔ میری پیٹھ کی کھال اتار دیں۔ کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کہ یہ لوگ اندھا دھند قسمت کے ماروں کو پیٹنے لگتے ہیں۔ اور جب خوب بھرتا بنا لیتے ہیں۔ تو پوچھتے ہیں۔ کہ خطا کیا ہے۔ اور تو کون ہے۔ میرے باپ کی دوکان دکھائی دی۔ وُہ زمانہ یاد آگیا جب ہم وہاں مزے اڑایا کرتے تھے۔ کیا کیا کرتے تھے۔ اور کیا کیا دیکھتے اور سُنتے رہتے تھے۔ میں فکر میں پڑ گیا۔ اتنے میں کسی نے میرے بازو پر ہاتھ مارا۔ دیکھا۔ کہ ارسلان سُلطان دھمکا کر کہہ رہا ہے "حاجی ہوش میں آ۔ اگر آج بہادری نہ کریگا۔ تو تیرے باپ کو تیرے سامنے ہی مار ڈالونگا" میں اپنی بہادری دکھانے کے لئے ایک ایرانی کو لپٹ گیا۔ جو سامنے سے آرہا تھا۔ اور اس سے کہا۔ یہاں آ۔ ورنہ ٹکڑے ہی کر ڈالونگا۔ ایرانیوں کی عادت کے موافق وُہ بھی گڑگڑانے لگا۔ کہ تم کو خدا کی قسم۔ اگر تم سُنی ہو۔ تو خلیفوں کی قسم۔ اگر تم شیعہ ہو۔ تو حسنؓ اور حسینؓ کی قسم اگر حلال زادہ ہو۔ تو تمکو اپنے ماں باپ کی قسم۔ مجھے چھوڑ دو"

ولیم۔ کیا خلیفہ کئی ہُوئے ہیں؟ بتائیے تو وُہ کون کون تھے۔ اور حسنؓ و حسینؓ کی بابت بھی کہیئے۔

حاجی بابا۔ خلیفہ چار تھے۔ جسوقت رسول اللہ کا انتقال ہُوا۔ تو ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہُوئے۔ یہ قحافہ کے بیٹے اور خاندان قریش سے تھے۔ مردوں

ہیں سب سے پہلے یہ مسلمان ہوئے۔ ان کی بیٹی حضرت عائشہ رضہ کیساتھ رسول اللہ نے نکاح کیا تھا۔ اور ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضہ تھے۔ جن کا حال میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ حضرت عثمان رضہ غنی تیسرے خلیفہ تھے۔ ان کے باپ عفان تھے۔ رسول اللہ کی دامادی کا فخر انکو بھی حاصل تھا۔ یہ بڑے مالدار اور جوشیلے آدمی تھے۔ اپنے نبی کی محبت میں انہوں نے ہزاروں روپیہ بے دریغ صرف کر دیا۔ ایک دفعہ تو رسول اللہ کی دعوت کے موقعہ پر انہوں نے قدم گن کر ہر ہر قدم پہ ایک ایک اونٹ قربان کیا۔ سب سے پہلے قرآن کو آپ نے ہی جمع کیا ہے۔ آپکا ایک لقب جامع قرآن بھی ہے۔ آپ کی شہادت کا واقعہ بھی کربلا کے دل ہلا دینے والے حادثہ سے کم نہیں۔ چار دن متواتر کھانا پینا بند رہا۔ پھر بڑی بے دردی سے شہادت ہوئی۔ چوتھے خلیفہ حضرت علی رضہ تھے۔ جنکا حال پہلے بیان کر چکا ہوں۔

کرشن۔ اچھا حسن اور حسین کون تھے؟

حاجی بابا۔ یہ دونوں حضرت علی رضہ کے بیٹے تھے۔ جو حضرت فاطمہ رضہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ حضرت علی رضہ کے بعد اُن کے بڑے بیٹے امام حسن خلافت کی گدی پر بیٹھے۔ اس زمانہ میں امیر معاویہ رضہ کا بہت زور تھا۔ جو شام میں حکومت کر رہے تھے۔ حضرت امام حسن نے صلح کر لی۔ اور امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے

دست بردار ہو گئے۔ آپ مذہب امامیہ کے دوسرے امام ہیں۔ آپ کے مرنے کے بعد ان کے چھوٹے بھائی امام حسینؑ خلیفہ ہوئے۔ ان کا مشہور واقعہ یزید سے لڑائی ہے۔ یزید نہایت بُری عادتوں کا شخص تھا۔ جب امیر معاویہؓ کی وفات ہو گئی۔ تو یہ تخت پر بیٹھا۔ یہ ڈرتا تھا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ حسینؑ کیطرف لوگ ہو جائیں۔ اور ہم کو تخت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ اس لئے اس نے پورا ارادہ کر لیا۔ کہ امام حسینؑ سے کہا جائے۔ کہ بیعت کریں۔ ورنہ جنگ ہو گی۔ اور مسلمان مفت تباہ ہونگے +

ولیم۔ بیعت کس کو کہتے ہیں ؟

حاجی بابا۔ کسی کے کہے ہُوئے کو مان لینا اور ویسا ہی کرنا بیعت کہلاتا ہے۔

کرشن۔ تو کیا پھر حسینؑ مار ڈالے گئے ؟

حاجی بابا۔ ہاں امام حسینؑ نے بیعت نہیں کی اور آخر کار کربلا میں خوب لڑائی ہُوئی۔ اور دسویں محرم کو عزیز دل بچوں سمیت شہید کر دیئے گئے۔ انکے ساتھ صرف بہتر آدمی تھے۔ اور یزید کی فوج کی انتہا نہ تھی۔ اس کا یہ نتیجہ ہونا چاہیئے تھا۔ ہوا +

یہ لڑائی اسلام کی تاریخ میں بہت اہم سمجھی جاتی ہے۔ اسکے واقعات نظم کئے گئے ہیں۔ خاص کر میر انیس کے مرثیوں نے تو اردو ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ کر دیا ہے۔ امام حسینؑ کے آدمیوں میں انکے بڑے بیٹے شہید ہونے سے بچ گئے تھے۔

جنکا نام علی تھا۔ شیعہ ان کو اپنا چوتھا امام مانتے ہیں۔ امام حسینؓ کا روضہ کربلا میں ہے۔ جہاں کثرت سے شیعہ زیارت کے لئے ہر سال جاتے ہیں۔

اختر۔ ہاں۔ تو پھر آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا؟

حاجی بابا۔ ہاں۔ تو میں نے جب وہ آواز سنی تو پہچانی ہوئی معلوم ہوئی۔ دیکھتا کیا ہوں۔ کہ میرا باپ حسنؑ حجام ہے۔ اور ہلّڑ سن کر صرف کرتہ پہنے ہوئے چراغ لے کر باہر نکل آیا ہے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ اسکے حجامت بنانے کے سامان کو کوئی اڑا لیجائے۔ جب میں نے یہ جانا۔ کہ یہ میرا باپ ہے۔ تو میں اسکی ڈاڑھی چھوڑ دی۔ چاہیئے تھا۔ کہ اسکے قدموں پر گر کر معافی چاہتا لیکن جان کے خوف سے میں نے یہ بیہودگیاں یہیں چھوڑیں۔ اور کئی ڈنڈے خچّر کے مارے۔ جیسے کہ میں نے اپنے ماں باپ کو مارے ہوں۔ اسوقت میرے باپ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ کہ ہائے ہائے بیٹے کو بھی نہ دیکھنے پایا۔ اور مر رہا ہوں۔ اس بات نے مجھ پر بہت اثر کیا۔ اُسے چھوڑ کر میں ساتھیوں کی طرف دیکھکر کہنے لگا۔ میں اس شخص کو جانتا ہوں۔ نائی ہے۔ اور کسی مصرف کا نہیں۔ پھر فوراً لوٹ مار چھوڑ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بہت تیزی کے ساتھ اس مقام پر پہنچ گئے۔ جو مقرر کیا گیا تھا۔

یہاں تک داستان ہونے کے بعد حاجی بابا رُک گئے۔ اور لڑکوں سے کہا۔ کہ تم لوگ جاؤ۔ اب کل سُننا۔ رات بہت گئی ہے۔ اور اب تم لوگوں کے سونے کا وقت بھی آ گیا ہے۔ یہ سُن کر تینوں لڑکے وہاں سے اُٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو آئے۔ کھانا کھا کر پلنگ پر لیٹ رہے۔ اور نیند نے انکو صبح تک کے لئے لوریاں دے دے کر سُلا دیا +

تین قیدیوں اور لوٹ کے مال کی کیفیت

دوسرے روز جب تینوں لڑکے حاجی بابا کے گھر پر گئے۔ تو یوں داستان شروع ہوئی:

جب ہم اپنی مقررہ جگہ پر پہنچے۔ تو گھوڑے سے اترے۔ اپنے اور گھوڑوں کے آرام دینے کو کچھ دیر وہاں ٹھہرے۔ ایک شخص لوٹ مار میں ایک بکری لایا تھا۔ اُس نے اسکو ذبح کیا۔ اور جنگل سے گھاس پھوس جمع کر کے سیخوں پر کباب بنائے۔ اور کچے کھائے۔ پھر لوٹ کے مال کی طرف دوڑے:

ہم لوگ اندازہ لگا رہے تھے۔ کہ جو لوگ قید ہو کر آئے ہیں۔ اُن کی قیمت کیا مل سکتی ہے۔ ان میں ایک شخص تھا۔ جس کا سن پچاس سال کا ہوگا۔ چھریرا بدن۔ تیز نگاہ۔ لال لال گال۔ گھنی ڈاڑھی۔ ریشمی پاجامہ اور کشمیری بوٹ پہنے ہوئے معلوم ہوتا تھا۔ کسی بادشاہ کے دربار کا آدمی ہے:

دوسرا ادھیڑ۔ ٹھنگنا۔ ہنس مکھ تھا۔ عمامہ سر پر۔ اور ہزار دانے

کی تسبیح اور کالی عبا پہنے ہوئے +

تیسرا شخص موٹا تازہ۔ منہ بگاڑے ہوئے۔ بدصورت۔ اسکو اور لوگوں سے زیادہ کس کہ باندھا گیا تھا +

اب ہم لوگ انکا حال پوچھنے میں لگ گئے۔ چھریرے بدن والا چونکہ زیادہ اچھی حالت میں معلوم ہوتا تھا۔ اور امید تھی۔ کہ اس سے زیادہ روپیہ مل جائیگا۔ پہلے وہ سامنے لایا گیا۔ کیونکہ وہ ترکی زبان نہ جانتا تھا۔ اسلئے میں اسکو فارسی میں بتلاتا جاتا تھا +

ارسلان سلطان - تو کیا کام کرتا ہے ؟

قیدی - (بہت آہستہ اور رنجیدگی سے) میں کچھ بھی نہیں کرتا۔ بیکار غریب ہوں

اسلان سلطان :- آخر تیرا کوئی پیشہ بھی ہے :

قیدی :- آپ کا غلام شاعر ہے۔ اور کیا ہو سکتا ہے ؟

ایک اوجڈ ترکمان :- شاعر۔ یعنی فضول آدمی بک بک کرنیوالا بیوقوف۔ جسکا کوئی گھر نہ ہو۔ جھوٹا۔ چاپلوس۔ جو سب کو دھوکہ دیتا ہے۔ سب لوگ اسکو کوستے رہتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ بلا ہمارے سر سے کب دور ہوگی۔ اور کون دور کریگا۔

اسلان سلطان :- خوب۔ اگر تو شاعر ہے۔ تو یہ ریشمی پائجامہ اور شالی کوٹ کہاں سے لایا ؟

قیدی :- یہ ایک خلعت ہے۔ جو ایک قصیدہ کے لکھنے پر شیراز

کے حاکم نے دی ہے ✣

ولیم :- قصیدہ کسے کہتے ہیں ؟

حاجی بابا :- یہ شعر کی ایک قسم ہے۔ اس میں یا تو کسی کی تعریف کرتے ہیں۔ یا بُرا کہتے ہیں ✣

ولیم - شیرازہ کہاں ہے ؟

حاجی بابا - یہ ایران میں واقع ہے۔ اور کسی زمانہ میں دارالحکومت تھا دارالحکومت اس جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں پر حاکم رہا کرتا ہے ✣

اختر - اچھا آگے کہیئے ✣

حاجی بابا - تو قیدی کے اس کہنے پر پہلے تو انہوں نے خلعت وغیرہ اتار لی۔ اور کھال کا کوٹ پہنا کر چھوڑ دیا۔ پھر ٹھگنے آدمی کو سامنے لائے ✣

ارسلان سلطان - تو کون ہے۔ اور کیا کرتا ہے ؟

قیدی - بندہ مُلّا ہے ✣

ارسلان سلطان - چل دُور ہو۔ حرامزادہ۔ مُلّا ہو یا جو کچھ بھی ہو۔ تیرا ابھی سر کاٹے ڈالتا ہوں۔ ورنہ کہہ۔ سوداگر ہوں۔ اچھا مُلّا رہنا چاہتا ہے۔ تو رہ۔ مُلّا بھی مالدار ہوتے ہیں۔ لوگوں کا مال سب یہی تو کھاتے ہیں ✣

بعد میں معلوم ہُوا۔ کہ وُہ گلادان کا مُلّا ہے۔ جسکو وہاں کے زمیندار نے لگان کم کرانے کے لئے اصفہان کے حاکم کے پاس سفارش

کے لئے بھیجا ہے +

اختر - گاوان کس مقام کا نام ہے ؟

حاجی بابا - یہ اصفہان کا ایک گاؤں ہے +

اختر :- پھر کیا ہوا ؟

حاجی بابا :- پھر یوں باتیں ہونے لگیں +

ارسلان سلطان :- اچھا - ملاّ ! گاوان میں تمہاری آمدنی کیا ہے ؟

ملاّ :- بندہ کی آمدنی کچھ بھی نہیں - ہاں - خرچ بہت ہے -

ارسلان سلطان - جس کی کوئی آمدنی ہی نہ ہو - اور خرچ بہت ہو - اسکا کچہریوں میں کیا کام ؟

ملاّ :- چند سال ہوئے - ماربین کی کھیتی کو سانڈ کھا گئے - وہاں کے کام کرنے والے نے مجھے بھیجا ہے - کہ سب کیطرف سے میں داد فریاد کروں -

ارسلان سلطان :- ارے مُردار ماربیں کی کھیتی سانڈوں نے کھائی - تونے اور کارندہ نے کھائی ہے - اگر ایسے دادخواہ ہو - تو دشت قبچاق پہ چلے جاؤ - اور سب کی طرف سے اپنی دادخواہی کرو - کہ مرحاؤ -!-

کرشن :- ماربین کوئی مقام ہے ؟

حاجی بابا :- ہاں - یہ اصفہاں کے پاس ایک گاؤں ہے -

اختر :- ہاں تو پھر کیا ہوا ؟

حاجی بابا :- تو ایک ترکمان نے کہا - اس ملاّ کی قیمت کیا ہے ؟

ارسلان سلطان :- اگر اسکی کچھ قیمت بھی ہوتی - تو ملاّ ہی کیوں ہوتا - ملاّ یعنی

فسادی بے دین۔ اگر لوگوں کے کام کرتا ہے۔ تو ایسا ممکن ہے۔ کہ کسان وسان اِس کو چھڑانے کے لئے آئیں۔ ورنہ دوزخ میں جائے۔ ہم کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم نے سوئر کا شکار کیا ہے۔ افسوس ہے۔ زحمت ہی ہوئی۔ اسکی دیکھ بھال کرنا چاہیئے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

کرشن:۔ دوزخ کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا:۔ دوزخ کو ہندی میں نرگ کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے خیال میں دوزخیں سات ہیں۔ جنمیں آگ ہی آگ ہوتی ہے۔ جو دنیا میں بُرے کام کرتا ہے۔ وُہ مرنے کے بعد انمیں ڈالا جاتا ہے۔ اور ہمیشہ ان میں جلا کرتا ہے۔

کرشن:۔ وُہ سات دوزخیں کون کونسی ہیں؟

حاجی بابا:۔ سات دوزخوں کے عربی میں نام یہ ہیں۔ انکو دوزخ کے طبقے کہتے ہیں۔ اول جہنم۔ دوم لظیٰ۔ سوم حطمہ۔ چہارم سعیر۔ پنجم سقر۔ ششم جحیم۔ ہفتم ہاویہ۔

اختر:۔ تو تیسرے قیدی سے کیا سلوک کیا گیا؟

حاجی بابا:۔ جب دو قیدیوں کو پوچھ پاچھ چکے۔ تو تیسرے قیدی کو سامنے لائے۔

ارسلان سلطان:۔ اچھا یار۔ تم کون ہو۔ اور کیا کرتے ہو؟

قیدی:۔ آپ کا غلام خدمتگار ہے۔

سب ترکمان:۔ جھوٹ کہتا ہے۔ خدمتگار نہیں ہے۔ کیونکہ بستر پر سو رہا تھا۔

قیدی:۔ بستر میرے مالک کا تھا۔

سب ترکمان:- ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اقرار کرو کہ سوداگر ہوں۔ ورنہ مار ہی ڈالینگے۔ یہ کہہ کر اتنے مُکّے گھونسے مارے۔ کہ وُہ کہنے لگا۔

"اگر تم تاجر کہلانا چاہتے ہو۔ تو تاجر ہی سہی"۔

مَیں نے اُسے دیکھ کر ہی جان لیا تھا۔ کہ وُہ خدمتگار ہے۔ مَیں نے چاہا۔ کہ بیچ میں بولوں۔ لیکن سب غصّے ہونے لگے۔ اور کہا کہ چُپ رہو۔ اور پشتی نہ لو۔ ورنہ تمکو پھر قیدی کر دینگے۔ میں چُپ ہو گیا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ پھر قید کر دیا جاوٗں۔

جب انہوں نے اپنی چوری کو بے برکت دیکھا تو آپسمیں جھگڑنے لگے۔ کچھ لوگوں نے کہا۔ کہ مُلّا بیکار نہیں ہے۔ ہاں خدمتگار اور شاعر فضول ہیں۔ انکو مار ڈالنا چاہیئے۔ کچھ لوگ کہنے لگے۔ کہ ہاں مُلّا کو رکھ چھوڑو۔ اور خدمتگار کو غلام بناوٗ۔ شاعر فضول ہے۔ اسکو مار ڈالو۔ سب لوگ بیچارے شاعر کے مارنے پر راضی ہو گئے۔ اسکو مار ہی ڈالنے والے تھے۔ کہ مجھے ترس آگیا۔ کیونکہ مَیں نے اُسے دیکھ کر جان لیا تھا۔ کہ اس آدمی میں کمال ہے۔ میں نے کہا یارو سڑی نہ ہو جاوٗ۔ اسکو قتل نہ کرو۔ شاعروں کی مالداری اور فقیری ایک زبان میں ہے۔ دراصل شاعر کو مار ڈالنا سونے کے انڈے والی مُرغی کو ذبح کر ڈالنا ہے۔ کیا تم نے اِس بادشاہ کا قصہ نہیں سُنا۔ جو ایک شعر پر ایک مثقال طلا دیتا تھا۔

ولیم:- مثقال کیا چیز ہے؟

حاجی بابا:- یہ ایک سکہ کا نام ہے۔ جو چوبیس گرین کے برابر ہوتا ہے۔
اختر:- تو پھر ان لوگوں نے کیا کہا؟
حاجی بابا:- انمیں سے ایک چیخ کر بولا۔ کہ اگر ایسا ہے۔ تو ابھی ایک شعر کہے۔ اگر اسکی قیمت ایک مثقال ہوئی۔ تو خیر۔ ورنہ ٹکڑے کرڈالونگا۔ ایسے گنج شائیگاں کے پانے سے بہت خوش تھے۔ کہنے لگے۔ اگر تو نے شعر کہدیا۔ تو تجھ کو چھوڑ دینگے۔ ورنہ پھر تیرا خون حلال ہے۔
کرشن۔ گنج شائیگاں کس چیز کا نام ہے؟
حاجی بابا۔ ایران میں ایک بادشاہ ہوا ہے۔ جس کا نام خسرو پرویز تھا۔ اسکے آٹھ خزانے تھے۔ انمیں ایک کا نام گنج شائیگاں تھا۔ اسی کو گنج باد آورد کہتے ہیں۔
ولیم۔ اگر ان آٹھوں خزانوں کے نام آپکو یاد ہیں۔ تو وہ بھی فرما دیجیے۔
حاجی بابا۔ ہاں ان آٹھوں خزانوں کے نام یہ ہیں۔ گنج عروس۔ گنج باد آورد[۲]۔ گنج دیبہ خسروی[۳]۔ گنج افراسیاب[۴]۔ گنج سوختہ[۵]۔ گنج خضرا[۶]۔ گنج شاد آورد[۷]۔ گنج بار[۸]۔
اختر۔ پھر بیچارے شاعر کا کیا حال ہوا؟
حاجی بابا۔ پھر بات بڑھ گئی۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ سب کو رکھیں۔ اور جس راہ سے آئے تھے۔ واپس جاکر اپنے پڑاؤ پر ٹھہریں۔
پھر ارسلان سلطان نے اپنے سب ساتھیوں کو جمع کیا اور کہا

کہ تم لوگ کیا کیا لائے ہو؟۔ ایک نے جیب سے پیالہ نکالا۔ جسکے چاروں طرف نہایت خوشخط عمدہ شعر لکھے ہوئے تھے۔ دوسرے نے ایک چاندی کی چلم نکالی۔ جسپر لکھا ہوُا تھا۔ کہ فلاں جگہ کا فلاں حاجی۔ ایک نے ایک لگن اور سمعدان دکھائی۔ جو سونے کی تھی۔ اور اسکے دونوں کنارے موتی اور لعل سے جڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص خز اور سنجاب اور کشمیر کے شال لایا تھا۔

ولیم۔ خز اور سنجاب کیا چیزیں ہیں؟

حاجی بابا۔ یہ کپڑوں کے نام ہیں۔ خز کی نسبت کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ریشمی کپڑا ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ اُون اور ریشم سے ملا کر بُنا جاتا ہے۔

اختر۔ مَیں نے کسی سے سُنا تھا۔ کہ یہ ایک قسم کی کھال ہے۔

حاجی بابا۔ ہاں ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ایسا بھی لکھا ہے۔ سنجاب اصل میں ایک جانور کا نام ہے۔ جس کے بالوں سے کپڑا بُنا جاتا ہے۔ اسکے کپڑے کو بھی یہی کہنے لگے۔

ولیم۔ کشمیر کیا ہے؟

حاجی بابا۔ کشمیر ہندوستان میں ایک ریاست ہے۔ جو زیادہ تر ہندو راجاؤں کے قبضہ میں رہی۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت اچھی ہے۔ مغل بادشاہ اکثر یہاں آ آ کر سیر کیا کرتے تھے۔ یہاں کی بہار

ایران کی بہار ہوتی ہے۔ خوبصورتی کے لحاظ سے پرستان ہے
یہاں کے لوگ اکثر میلے کچیلے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ یہاں کے
لوگوں میں وفا نہیں ہوتی ؟

اختر۔ ہاں۔ تو سب نے اپنی اپنی چیزیں دکھائیں۔ جو لوٹ میں لائے تھے
حاجی بابا۔ ایک شخص نے اسمیں سے ایک بڑی سی تھیلی نکالی۔
جسکو اس نے خیال کیا تھا۔ کہ اسمیں چاندی ہوگی۔ لیکن دیکھا۔
تو پیسے بھرے ہوئے تھے۔ بڑی ہنسی ہوئی۔
جب میری باری آئی تو میں نے وُہ تھیلی جو مَیں بغل میں
دبائے ہوئے تھا۔ میدان میں ڈال دی۔ اور کہا۔ تمہاری جان
کی قسم! اسکے سوا اور کچھ مجھے نہیں مِلا۔ کیونکہ میرا مال سارے مال
میں قیمتی تھا۔ اِسلئے میری سب سے زیادہ تعریف ہُوئی۔ اور سب نے
کہا۔ کہ اگر تو ایک سال اور ہمارے پاس رہ جائیگا۔ تو چوروں
کا قطب ہی ہو جائے گا۔ دیکھو۔ جب اصفہانی ترکمان ہو جاتا ہے۔
تو کیا ہو جاتا ہے ؟

کرشن۔ قطب کِسے کہتے ہیں ؟

حاجی بابا۔ اس ولی کو کہتے ہیں۔ جو خدا کی طرف سے دنیا میں ملکی انتظام
کرتا ہے ؟

اختر۔ پھر کیا ہوا ؟

حاجی بابا۔ تو اسلان سلطان نے کہا۔ کہ بیٹا! تو خوش رہے۔

تو نے مجھے سرخرو کیا۔ میں تجھ کو ایک لونڈی دونگا۔ اس سے شادی کرنا۔ میرے ساتھ ایک جگہ رہنا۔ ایک ڈیرا بیس بکریوں سمیت میں تجھ کو دونگا۔ تیری شادی میں سارے خاندان کی دعوت کروں گا۔

ان باتوں نے مجھ پر ایسا اثر کیا۔ کہ میں بھاگنے پر اور بھی مضبوط ہوگیا۔ میری لوٹ سب سے بڑی تھی۔ چاہیئے تھا۔ کہ مجھ کو زیادہ حصّہ دیا جاتا۔ لیکن وہاں ایک کوڑی بھی نہ ملی۔ اور اس پر آنکھیں دکھا کہا گیا۔ کہ اگر کچھ بھی کہا۔ تو گاجر کی طرح سر کاٹ ڈالوں گا۔ اب کون کچھ کہ سکتا تھا۔ مجبوراً ان ہی پچاس اشرفیوں پر ہی قناعت کی۔ جو میری کمر میں تھیں۔ اور چند ریال پر جو میں نے لوٹ میں چھپا لئے تھے۔

ولیم۔ ریال کیا چیز ہوتی ہے؟

حاجی بابا۔ یہ ایک سکہ ہے۔ جو سوا روپیہ کے برابر ہوتا ہے۔

اختر۔ ہاں پھر؟

حاجی بابا۔ جب ان لوگوں میں لوٹ کا مال بانٹا گیا۔ تو بڑا جھگڑا پڑا اور لڑائی ہونے لگی۔ نزدیک تھا۔ کہ کسی کا خون ہو جائے۔ کہ اتنے میں ایک شخص کے دل میں یہ آگیا۔ کہ مُلّاں کے ہوتے ہوئے شرع کے طریقہ پر کیوں نہ بانٹا جائے۔ پھر مُلا کو حکم دیا۔ کہ وہ لوٹ کے مال کو شرع کے موافق تقسیم کر دے۔ اس میں کچھ

مال مُلّا کا بھی تھا۔ اور یہ بھی کہ بیت المال کا مال شرع کی رو سے قاضی کا ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی تھوڑے سے مذاق اور دل لگی کے سوا مُلّا کی بھتیلی میں کچھ بھی نہ گیا ؛

کرشن ۔ بیت المال کس کو کہتے ہیں ؟ ؛

حاجی بابا ۔ اِس روپیہ پیسے کے رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ جو شریعت کے طور پر مُلک سے حاصل ہوتا ہے ؛

اختر :۔ اچھا ۔ اب قصّہ ختم کیجیے۔ خدا اگر چاہے گا۔ تو کل پھر آ کر سُنیں گے ؛

حاجی بابا :۔ اچھا ۔ جاؤ ۔ خدا حافظ ؛

یہ تینوں لڑکے وہاں سے اُٹھے۔ گھر آ کر کھانا کھایا اور سو گئے ؛

حاجی بابا اور شاعر کی حالت

دوسرے روز جب یہ لڑکے حاجی بابا کے یہاں پہنچ گئے۔ تو حاجی بابا نے قصّہ کو یوں شروع کیا:-

جدھر سے ہم آئے۔ اسی راہ سے پلٹ گئے۔ راہ میں کبھی قیدیوں کو گھوڑوں پر بٹھا لیتے تھے۔ اور کبھی بیچاروں کو پیدل چلاتے تھے۔ شاعر کے ساتھ ہونے نے ہماری تکلیفوں اور مصیبتوں میں کمی پیدا کر دی تھی۔ مَیں چاہتا تھا۔ کہ کچھ اس سے سیکھوں۔ مَیں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ میں نے اسکی جان بچائی۔ اور بڑا احسان کیا ہے۔ ہم دونوں بے کھٹکے فارسی میں باتیں کرتے تھے۔ یہ تو ڈر تھا ہی نہیں۔ کہ کوئی سمجھ سکیگا اس لئے جو کچھ دل میں آتا تھا۔ کہتے تھے۔ مَیں نے اپنی رہنے کی جگہ بتلائی۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ میرا ارادہ ہے۔ کہ یہاں سے بھاگ جاؤں۔ اور اسکو یہ بھی یقین دلا دیا۔ کہ جہاں تک ہو سکے گا۔ مَیں تیرے لئے بہتری کرونگا۔ وُہ ان باتوں سے بہت خوش ہُوا۔ کیونکہ اس بیچارے کو امید بھی نہ تھی۔ کہ وہاں کوئی بھی اس سے ایسی ہمدردی کی باتیں کریگا وُہ مجھے اب اپنا خیر خواہ سمجھنے لگا۔ اور اپنا سارا حال صاف صاف کہدیا میرا جو شُبہ تھا۔ آخر وہی نِکلا۔ وُہ ایک لائق شخص تھا۔ اور شاہی دربار میں ملک الشعرائی کے عہدہ پر ممتاز تھا۔

کرشن - ملک الشعراء کیا ہوتا ہے؟
حاجی بابا :- ملک الشعرا کے معنی ہیں۔ شاعروں کا بادشاہ۔ یہ ایک قسم کا نام ہے۔ جو بڑوں کی طرف سے چھوٹے آدمیوں کو دیا جاتا ہے۔ اسکو خطاب کہتے ہیں +

ولیم - کیا نام بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں؟
حاجی بابا - ہاں پانچ طرح کے ہوتے ہیں۔ علم۔ خطاب۔ لقب۔ کنیت۔ عرف
ولیم :- میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ کیسے نام ہیں۔ اور انکا کیا مطلب ہے؟
حاجی بابا - ہاں۔ دیکھو۔ ہم تمکو ان سب کی تعریفیں بتلاتے ہیں غور سے سنو!

علم[۱] :- اس نام کو کہتے ہیں۔ جسکو تم سمجھتے ہو۔ جیسے تمہارا نام ولیم یا تمہارے ساتھیوں کا نام۔ اختر اور کرشن۔ اسکو علم کہتے ہیں۔

خطاب[۲] :- اُس نام کو کہتے ہیں۔ جو بادشاہوں یا امیروں کی طرف سے کم مرتبہ لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ جیسے شاعر کا خطاب ملک الشعرا یا ریاست کے نواب یا راجہ کو ہز ہائینس وغیرہ +

لقب[۳] :- اس نام کو کہتے ہیں جس سے کسی کی اچھائی یا برائی ظاہر ہو۔ جیسے رسول اللہ کا لقب امین یعنی امانتدار یا عالمگیر اورنگ زیب وغیرہ

کنیت[۴] - وُہ نام جو بیٹی یا بیٹے کے نام سے لگاؤ رکھتا ہو۔ جیسے حضرت علیؓ کی کنیت ابوالحسنین۔ حسنین امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو کہتے ہیں۔ یا جیسے اردو میں کہتے ہیں۔ کلو کی ماں۔ للو کا باپ۔

عُرف[۵] :- وُہ نام جو زیادہ مشہور ہو جاتا ہے۔ یا جس نام سے

ماں باپ پیار میں پکارتے ہیں۔ جیسے۔ للّو۔ کلّو۔ اَلّو وغیرہ +

اختر ۔ ہاں۔ یہ تو سب ہم سمجھ گئے۔ اب آگے قصّہ بیان کیجئے +

حاجی بابا ۔ یہ بیچارا ملک الشعرا شیرازہ سے طہران جا رہا تھا۔ اسکو بادشاہ نے ایک کام کے لئے وہاں بھیجا تھا۔ جس دن وُہ اصفہان پہنچا۔ اسی دن ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کیونکر راستہ کی تھکن تھی۔ اور پریشان بہت تھا۔ اسلئے مَیں نے اس سے کہا۔ کہ وُہ اپنی رام کہانی وُہ یہ سُنکر کہنے لگا :-

ملک الشعرا کی کہانی

مَیں کرمان میں پیدا ہُوا۔

کرشن ۔ کرمان کہاں ہے ؟

حاجی بابا ۔ یہ ایران میں ایک مقام ہے +

اختر ۔ ہاں پھر اس نے کیا کہا ؟

حاجی بابا ۔ پھر اس نے بیان کیا۔ کہ میرا نام فتح علی ہے۔ بہت دنوں تک میرا باپ آغا محمد سرا کے زمانہ میں کرمان کے صوبہ کا گورنر رہا ہے +

کرشن ۔ صوبہ کسے کہتے ہیں ؟

حاجی بابا ۔ یہ بات تم کو سمجھانے میں ذرا دیر لگے گی۔ اگر تم لوگ کہو تو مَیں تفصیل کیساتھ بیان کروں +

ولیم :۔ ضرور بیان کیجئے +

حاجی بابا - اچھا سنو! میں تم کو تھوڑا سا جغرافیہ بتاونگا۔ جغرافیہ میں دنیا کے پانچ حصّے کئے ہیں۔ جسکو برّاعظم کہتے ہیں۔

ولیم :- برّاعظم کون کون سے ہیں؟

حاجی بابا - ایک تو ایشیا ہے۔ جسمیں ہم سب لوگ رہتے ہیں۔ اور یورپ ہے۔ جسمیں انگریز رہتے ہیں۔ تیسرا برّاعظم افریقیہ ہے۔ اور چوتھا امریکہ جو ہندستان کے نیچے ہے۔ اور جسکو نئی دنیا بھی کہتے ہیں +

کرشن - امریکہ کو نئی دنیا کیوں کہتے ہیں؟

حاجی بابا - یہ برّاعظم ابھی تھوڑے دن ہوئے ہیں۔ کہ معلوم ہوا ہے۔ اس سے پہلے کسی اسکا پتہ نہ تھا +

کرشن - اسکا پتہ کس طرح لگا؟

حاجی بابا - ایکدفعہ ایک شخص جہاز پر سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ اس کا نام کولمبس تھا۔ اسکا جہاز امریکہ کی طرف پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا۔ کہ ایک طرف کچھ چڑیاں اُڑتی ہوئی جا رہی ہیں۔ اس نے خیال کیا۔ کہ ضرور ادھر آبادی ہے۔ اس نے اس طرف اپنے جہاز کا رخ کر دیا۔ آخرکار وہ امریکہ پہنچ گیا۔ اور اسطرح امریکہ معلوم ہو گیا۔

ولیم - اچھا کوئی اور بھی برّاعظم ہے؟

حاجی بابا - ہاں ایک برّاعظم آسٹریلیا بھی ہے۔ یہ سارے برّاعظم ہیں۔ پھر ہر ایک برّاعظم میں کئی ملک ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارا ملک ہندستان

اختر :- یہ برّاعظم ایشیا میں واقع ہے؟

حاجی بابا۔ ہاں ہاں۔ ہندوستان ایشیا میں ہے۔ اب تمکو معلوم ہوگیا۔ کہ ملک کسے کہتے ہیں۔ اب سنو۔ ہر ملک میں کئی صوبے ہوتے ہیں۔ یہاں ایک حاکم انتظام کرنے کیلئے رہا کرتا ہے۔ اسکو فارسی میں حاکم اور ہمارے یہاں گورنر کہتے ہیں

ولیم۔ اچھا۔ تو صوبہ کے حصہ نہیں ہونے۔

حاجی بابا۔ ہوتے کیوں نہیں۔ صوبہ کے بھی حصہ ہوتے ہیں جن کو قسمت یا کمشنری کہتے ہیں۔ یہاں بھی ایک حاکم ہوتا ہے۔ جسکو کمشنر کہتے ہیں کمشنری کے بھی حصہ ہوتے۔ اسکو ضلع کہتے ہیں۔ یہاں کے حاکم کو ڈپٹی کمشنر یا کلکٹر کہتے ہیں۔ ہر ضلع میں کئی تحصیلیں ہوتی ہیں۔ یہاں تحصیلدار رہتا ہے۔ اور پھر ہر تحصیل میں بہت سے گاؤں ہوتے ہیں۔ تم کو معلوم ہوگیا۔ کہ دنیا کو کسطرح تقسیم کیا ہے۔ اسکو یاد رکھنا۔ یہ بڑے کام کی ہیں۔

اختر۔ ہاں ہیں تو یہ باتیں کام کی۔ اسی لئے تو ہم نے پوچھا بھی۔

حاجی بابا۔ پوچھا تو۔ لیکن کچھ یاد بھی رہا۔

اختر۔ یاد کیوں نہیں رہا۔

حاجی بابا۔ اچھا۔ اب آگے قصہ بیاں کریں؟

اختر۔ ہاں اب آگے بیان کیجئے۔

حاجی بابا۔ اچھا سنو۔ تو اس نے کہا۔ کہ لوگوں نے اسکو نوکری سے ہٹانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن کیونکہ لوگ اسکی بہت عزت کرتے تھے اسلئے ان لوگوں سے کچھ نہ ہو سکا۔ پھر بھی بہت سے خطروں میں مبتلا رہا۔ آخر کار اس بادشاہ کے زمانہ میں نیکنامی کے ساتھ مر گیا۔ ترکہ

میں دس ہزار تومان چھوڑے۔ جو مجھ کو ملے۔

کرشن۔ ترکہ سے کیا مطلب ہے؟

حاجی بابا۔ ترکہ ان چیزوں کو کہتے ہیں۔ جو مردہ کی ہوں +

ولیم۔ اچھا تومان کتنے کا ہوتا ہے؟

حاجی بابا۔ لندن کے حساب سے تومان سات روپیہ کا ہوتا ہے۔

اختر۔ ہزار کتنا ہوتا ہے؟

حاجی بابا۔ میں اسے بتائے دیتا ہوں۔ پہلے تم بتاؤ۔ تمہیں گنتی کہاں تک یاد ہے؟

اختر۔ مجھے تو سو تک یاد ہے۔

حاجی بابا۔ تو سمجھو۔ ۱۰ سو کا ایک ہزار ہوتا ہے۔

ولیم۔ تو گنتی بس ہزار ہی تک ہے؟

حاجی بابا۔ نہیں۔ اور تمام ملکوں اور زبانوں میں تو لاکھ تک گنتی ہے لیکن ہندوستان میں بہت ہے؟

ولیم۔ لاکھ کتنے کا ہوتا ہے؟

حاجی بابا۔ تمام زبانوں میں لاکھ سو ہزار کا ہوتا ہے +

ولیم۔ اچھا لاکھ سے زیادہ گنتی بھی ہے؟

حاجی بابا۔ ہاں ہندوستان میں لاکھ سے زیادہ گنتی بھی ہے +

ولیم۔ ہاں۔ تو فرمائیے کہاں تک۔

حاجی بابا۔ دیکھو ہندوستان میں گنتی سنکھ تک ہے +

ولیم۔ سنکھ کتنے کا ہوتا ہے؟

حاجی بابا۔ میں تم کو شروع سے گنتی بتاتا ہوں۔ لاکھ تک تو تمہیں معلوم ہی ہو گیا۔ اب آگے سنو۔ ۱۰۰ لاکھ کا ایک کروڑ ہوتا ہے۔ ۱۰۰ کروڑ کا ایک ارب۔ ۱۰۰ ارب کا ایک کھرب ۱۰۰ کھرب کا ایک نیل ۱۰۰ نیل کا ایک پدم۔ اور ۱۰۰ پدم کا ایک سنکھ۔

ولیم۔ اوہو! ہندوستان میں گنتی بہت زیادہ ہے۔

حاجی بابا۔ ہاں۔ یہ علم جسکو علم ریاضی کہتے ہیں۔ بہت ہے۔ اس میں ہندوستان کا کوئی مقام مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اختر۔ اچھا۔ ہم سب سمجھ گئے۔ اب قصہ بیان کیجئے۔

حاجی بابا۔ اچھا سنو۔ ملک الشعرا نے کہا۔ کہ میں لڑکپن میں پڑھنے لکھنے میں بہت زیادہ محنت کرتا تھا۔ چنانچہ میرا سولہ سال کا سن ہو گیا۔ تو میں خوشنویسی میں بہت مشہور ہو گیا تھا۔ حافظ رح کی غزلوں کا دیوان مجھے زبانی یاد تھا۔ میری طبیعت اتنی موزوں تھی۔ کہ بات چیت شعروں میں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ میں چوب فلک سے سزا دیا جا رہا تھا۔ میں نے اِس حالت میں جب کہ فریاد کی۔ تو وہ بھی نظم ہی میں کی۔

گرشپ۔ چوب و فلک کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ آدمی کے چاروں ہاتھ پاؤں اونچے کرکے ایک لکڑی سے باندھ دیتے ہیں۔ اس لکڑی کو فلک کہتے ہیں۔ اور ایک لکڑی جس کا سرا ٹیڑھا ہوتا ہے۔ ہاتھ کی ہتھیلی اور پاؤں کے تلودں کو مارتے ہیں

اسکو چوب کہتے ہیں۔ اسکو ٹکٹکی بھی کہہ سکتے ہیں +

اخنز۔ پھر ملک الشعرا نے کیا کہا ؟

حاجی بابا۔ اس نے پھر بیان کرنا شروع کیا۔ کہ کوئی موضوع ایسا نہ تھا جس میں میں نے کچھ نہ کہا ہو۔ اور کوئی مضمون نہ تھا۔ جسے باندھا نہ ہو۔ نظامی اور خسرو نے جواب میں ایک خیالی قصہ لیلیٰ مجنوں کا بھی میں نے لکھا تھا +

ولیم۔ نظامی اور خسرو کون تھے ؟

حاجی بابا۔ یہ دونوں فارسی کے مشہور شاعر تھے۔ نظامی تو ایران کے ایک مقام گنجہ کا رہنے والا تھا۔ اور خسرو ہمارے یہاں دہلی کے تھے۔ ان دونوں نے بہت سی مثنویاں کہی ہیں۔ جس میں ایک لیلیٰ مجنوں بھی ہے +

ولیم۔ لیلیٰ مجنوں میں کیا لکھا ہے ؟

حاجی بابا۔ اس میں لیلیٰ مجنوں کی محبت کا قصہ نظم کیا ہے۔

ولیم۔ ان کی محبت کا قصہ کیا ہے ؟

حاجی بابا۔ مجھے ان کا تھوڑا قصہ تو یاد ہے۔ کہتے ہیں۔ قیس جسکو بعد میں لوگ مجنوں کہنے لگے۔ یہ اپنی چچازاد بہن لیلیٰ کے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔ جسطرح بچوں میں محبت ہو جایا کرتی ہے۔ ان میں بھی ہو گئی لیکن جب یہ دونوں جوان ہوئے۔ تو لیلیٰ کو قیس سے اس کے ماں باپ نے پردہ کرایا۔ یہ پردہ اُن کے لئے آفت ہو گیا۔ اب

مجنوں کی محبت عشق تک پہنچ گئی۔ یہ اپنے سارے کپڑے پھاڑ کر جنگلوں میں سڑیوں کی طرح پھرنے لگا۔ اور آخر میں سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ غالباً آخر تک مجنوں اپنی خواہشوں کو پورا نہ کر سکا۔ اور مر گیا۔ اس کا قصہ اب تک لوگوں کی زبانوں پر جاری ہے اور بہت مشہور ہے کہتے ہیں کہ یہ لیلےٰ کے عشق میں شعر بھی کہا کرتا تھا۔ چنانچہ آج کل ایک عربی دیوان اس کے کلام ہے۔ جو اس نے لیلیٰ کے عشق میں کہا تھا۔

ولیم۔ ایک بات پوچھنا بھول گیا۔

حاجی بابا۔ اب پوچھ لو۔

ولیم۔ کیا محبت اور عشق میں فرق ہے؟

حاجی بابا۔ ہاں بہت۔ محبت تو ہر شخص کو ہوتی ہے۔ عشق ہر ایک کو نہیں ہو سکتا۔ جب محبت اپنی حد سے گذر جاتی ہے تو اسے عشق کہتے ہیں۔ حکیموں نے کہا ہے۔ کہ عشق ایک بیماری ہے جو کسی خوبصورت کو دیکھ کر ہو جاتی ہے۔

ولیم۔ اگر یہ بیماری ہے۔ تو اس کا علاج ہو گا۔ کیونکہ میں نے سنا ہے۔ کہ ہر مرض کی دوا ہوتی ہے۔

حاجی بابا۔ ہاں ہاں۔ اس کا بھی علاج ہے۔ حکیموں نے اس کا یہ علاج ہے۔ کہ معشوق سے ملا دیا جائے۔ آخری علاج یہی ہے۔ باقی اور بھی علاج بتاتے ہیں۔ اور پھر اصل قصہ شروع کرتا ہوں۔

اختر۔ ہاں۔ قصہ شروع کیجئے +

حاجی بابا۔ ملک الشعرائے بیان کیا۔ کہ میں نے جو مثنوی لکھی تھی۔ وہ نظامی کی مثنوی سے اچھی ہے۔ اس میں میں نے ان چیزوں کی بہت تعریفیں کی ہیں۔ جو کبھی دیکھی بھی نہیں گئیں۔ جیسے گل و بلبل اور شمع و پروانہ کا عشق۔ اس مثال پر نظر کرتے ہوئے کہ جتنا گلدم زیادہ چھوٹا ہوتا ہے۔ اتنا ہی زیادہ میٹھا ہوتا ہے۔ میں نے مبالغہ اور اغراق کو حد سے زیادہ بڑھا دیا +

کرشن۔ مبالغہ اور اغراق کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ کسی چیز کی زیادہ تعریف کرنے کو مبالغہ کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں:۔ تبلیغ۔ اغراق۔ غلو +

وہ مبالغہ جس کو عقل بھی ممکن سمجھے۔ اور کبھی ہو بھی جائے۔ اس کو تبلیغ کہتے ہیں +

اور وہ مبالغہ جس کو عقل تو ممکن سمجھے۔ لیکن کبھی ہوا نہ ہو اس کو اغراق کہتے ہیں +

وہ مبالغہ جو عقلاً بھی ممکن نہ ہو اور نہ کبھی ایسا ہوا ہو۔ ایسے مبالغہ کو غلو کہتے ہیں +

اختر۔ تو کیا جھوٹ اچھی چیز ہے؟

حاجی بابا۔ ہرگز نہیں۔ دنیا میں اب تک جتنے مذہب ہوئے ہیں۔ اور جتنے بڑے بڑے عقل مند گزرے ہیں۔ سبھوں نے اس کو برا ہی

کہا ہے۔

اختر۔ تو کیا شعر میں جھوٹ بولنا جائز ہے؟

حاجی بابا۔ میرے خیال میں تو ایسا ہرگز نہیں۔ لیکن بعض پرانے لوگوں کے قول ہیں۔ جن میں انہوں نے شعر میں جھوٹ بولنا اچھا سمجھا ہے۔

اختر۔ خیر۔ قصّہ کہئے۔ پھر ملک الشعراء نے کیا کہا؟

حاجی بابا۔ وہ کیا کہتا تھا۔ کہ اس زمانہ میں بادشاہ صادق خاں شقاقی سے لڑا جو بغاوت پر تیار ہو گیا تھا۔ لیکن بادشاہ جیت گیا۔ میں نے فتحنامہ لکھا۔ فتحنامہ سے کیا مطلب؟

فتحنامہ میں جیت جانے کا حال لکھا جاتا ہے۔ ملک الشعراء نے بیان کیا۔ کہ میں نے اس میں یہ لکھا۔ کہ رستم ابرم سے میدان کو جھانک رہا ہے۔ صادق خاں اُس سے مدد چاہتا ہے۔ پس مجھے یہیں رہنے دیجئے۔ اگر میں نیچے آؤں۔ تو ممکن ہے۔ بادشاہ گنزرہ میرا سر ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ لہذا میں نے نیچے کا مقام یعنی کا میدان بادشاہ کے دشمنوں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ ایسی ہی بہت سی باریکیاں میں نے اس قصیدہ میں بیان کیں۔ آخر میں بیان کیا کہ پھر بھی صادق خاں اور اس کے لشکر کو زمانہ سے کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ ضرور ہوا۔ کہ اگرچہ وہ لوگ بادشاہ کے ہاتھ سے پائمال ہوئے۔ لیکن ان کا سر بلند ہوا یعنی

بادشاہ نے ان کا سر نیزہ پر بلند کیا۔ جب یہ قصیدہ بادشاہ نے سُنا۔ تو بہت پسند کیا۔ مجھ کو شاعروں میں بہترین شاعر انتخاب کرلیا اور لوگوں کے سامنے منہ سونے سے بھر دیا۔ یہ احترام میری ترقی کا سبب ہوا۔ میں بادشاہ کے خاص لوگوں میں شمار ہونے لگا۔ فی البدیہہ اور سوچ کر اچھے اچھے شعر کہتا تھا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ ایک زمانہ میں فردوسی طوسی نے محمود غزنوی کے لئے شاہنامہ لکھا تھا۔ اور اس سے زمانہ میں مشہور ہوگیا کیا اچھا ہوتا۔ اگر آپ سا بادشاہ جو محمود غزنوی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ شاہنامہ کے لئے حکم دیتا۔ اور اس سے اس کی شہرت ہوتی۔ اس پر بادشاہ کا حکم ہوگیا۔ اور میں شاہنامہ لکھنے میں مشغول ہوگیا۔ اور جب میں نے یہ شعر کہا ؎

گو گیو دلِ گیو سر گو نہاد
گو آہین گیو کیش گو گو نہاد

تو سب لوگ کہہ اٹھے کہ لفظوں کی فصاحت اور بلاغت ختم ہوگئی۔ اور جب میں نے یہ شعر نظم کیا ؎

خرا شید و پوشید شبرنگ شاہ
زسُم لیشت ماہی ز دم روئے ماہ

تو سب لوگ بول اُٹھے۔ کہ ریشہ معنی خشک ہوگیا ؏

ولیم۔ ان شعروں میں بالکل نہیں سمجھا۔ ذرا ان کا ترجمہ کر دیجیے +

حاجی بابا۔ اچھا۔ پہلے شعر کا تو یہ مطلب ہے۔ کہ میرا ممدوح گیو کا جلال رکھنے والا۔ گیو کی سی شجاعت والا۔ گیو کی سی طبیعت رکھنے والا۔ گیو کی سی شجاعت والا۔ گیو کا مذہب رکھنے والا اور گیو کے خاندان سے ہے۔ گیو ایک بہت بڑا پہلوان ایران میں تھا دوسرے شعر کا مطلب ہے۔ کہ بادشاہ کے گھوڑے نے اپنے سُم سے مچھلی کی پشت کو چھیل ڈالا۔ اور سانس سے چاند کے چہرہ کو چھپا دیا +

اختر۔ اچھا۔ پھر یہ شعر پڑھ کے اس نے کیا کہا؟

حاجی بابا۔ اس نے پھر کہا۔ کہ امین الدولہ اصفہانی مجھ سے جلتا تھا اس نے کسی حیلہ سے مجھ پر بارہ ہزار تومان جرمانہ کر دیا۔ لیکن چونکہ میں بہت بڑا شاعر تھا۔ اس لئے وہ جرمانہ معاف ہو گیا + ایک روز مجلس میں سلطان محمود غزنوی اور فردوسی کی باتیں ہو رہی تھی۔ کہ بادشاہ نے ایک شعر پر ایک اشرفی عنایت کی چونکہ میں جانتا تھا۔ کہ یہ بات بادشاہ کے کانوں تک پہنچے گی۔ میں نے کہا کہ سخاوت میں ہمارے بادشاہ اور محمود غزنوی کی مثال قطرہ اور دریا کی ہے۔ کیونکہ اس نے وہ رقم بہت بڑے شاعر کو دی اور ہمارے بادشاہ نے مجھ جیسے حقیر کو دی +

حاضرین حیران رہ گئے۔ کہ مجھے کب اور کہاں اور کس طرح یہ رقم ملی۔ سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اور مجھ سے پوچھا۔ مَیں نے جواب دیا۔ کہ اگرچہ یہ رقم بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے مجھے نہیں دی۔ لیکن مجھے پہنچ گئی۔ چنانچہ میرے باپ کا تتر کہ اگر چاہتا۔ تو لے سکتا تھا۔ کیونکہ اس مثل کے اعتبار سے کہ "غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہے۔ اس کے مالک کا ہے" سب ضبط کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے نہیں کیا۔ یہ دس ہزار تومان اور وہ بارہ ہزار تومان جو امین الدولہ نے مجھ پر جرمانہ کیا تھا۔ اور وہ رقم جو امیروں کے یہاں سے عیدین وغیرہ میں ملتی ہے۔ یہ رقم برسوں سے لے رہا ہوں۔ اگر ان سب کا حساب کیا جائے تو فردوسی کے انعام سے کہیں زیادہ ہو جائیگا۔ اس کے بعد میں نے بادشاہ کو بہت دعائیں دیں۔ کہ یا اللہ اس کا سایہ دنیا والوں کے سر پر ہمیشہ رہے۔ اس کے تمام حقیر و ذلیل رہیں۔ کیونکہ میں جانتا تھا۔ کہ یہ باتیں بادشاہ تک پہنچیں گی۔ اس لئے میں نے اس میں بہت مبالغہ کیا۔ تھوڑے ہی دن گذرے تھے۔ کہ مجھے ملک الشعرائی کا خطاب بادشاہ نے عنایت فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ایک جوڑا خلعت کا بھی مجھے دیا۔ رسم کے موافق تین دن تک فرمان کو ٹوپی پر لگائے ہوئے گھر میں بیٹھا رہا۔ دوست احباب میرے پاس مبارک

اور مٹھائی کھانے آتے تھے - تو میں پھولا نہ سماتا تھا - اسکے بعد کچھ تو بدلہ لینے کے لیئے اور کچھ انعام ملنے کے خیال سے میں نے ایک قصیدہ امین الدولہ کی شان میں کہا - اس میں بہت الفاظ ذومعنی تھے - اور زیادہ تر عربی - ظاہرا سب مدح تھی - لیکن حقیقت میں سب کی سب ہجو تھی - فارسی میں جب رعب گانٹھنا ہوتا ہے - تو بڑے معنی کو عربی الفاظ کا پہنا دیتے ہیں - اور اس طرح اس کی برائی ہو جاتی ہے +

کرنشن - ذرا دو لفظوں کے معنی فرما دیجے - میں سمجھا نہیں - ایک تو ذومعنی اور دوسرا ہجو +

حاجی بابا - ذومعنی اس لفظ کو کہتے ہیں - جس سے دو معنی سمجھ میں آئیں - اور ہجو کے معنی ہیں کسی کو برا بھلا کہنا +

اختر - تو پھر اس سے قصیدہ کہا +

حاجی بابا - ہاں پھر اس نے کہا - کہ میں نے ایک اُلجھا ہوا قصیدہ کہا جس کو کوئی بھی نہ سمجھ سکتا تھا - جب تک میں نہ سمجھاؤں + میں صرف شعر کہنا نہ جانتا تھا - بلکہ علم ہندسہ اور علم جرّ اثقال سے بھی خوب واقف تھا +

ولیم - علم ہندسہ اور علم جرّ اثقال کسے کہتے ہیں +

حاجی بابا - علم ہندسہ اس کو کہتے ہیں جسمیں ہندسوں کا بیان ہو اور علم جرّ اثقال میں بھاری چیزوں کے اُٹھانے اور ان کو ادھر

ادھر کرنے کا بیان ہوتا ہے +

اختر۔ ہاں پھر اُس نے کیا کہا؟

حاجی بابا۔ پھر ملک الشعرا نے کہا۔ کہ بڑے بڑے لوگ میری باتوں پر حیرت کرتے تھے۔ میں نے ایک کل بتائی تھی۔ اس میں اگر ایک آلہ اور ہوتا۔ تو قیامت تک نہ رُکتی۔ علم ہندسہ میں مَیں نے ایک شکل اور زیادہ کی جسکو کوئی بھی حل نہ کر سکا۔ کاغذ کے رنگنے میں مَیں بڑا استاد تھا۔ ایک قلم اور دوات نیئے طریقہ کی بنائی مَیں نے چاہا تھا۔ کہ ریشمی کپڑا بنوں۔ بادشاہ نے کہا۔ تو تو شعر بنایا کر۔ ریشمی کپڑا فرنگی بنیں۔ اور سوداگر انگلینڈ سے لے آئیں گے۔ نوروز کے دن میں نے چاہا۔ کہ بادشاہ کے سامنے نذر گزرانوں۔ میں نے بادشاہ کے دانتوں کے خلال کی تعریف میں ایک نہایت عمدہ قصیدہ کہا۔ جو بادشاہ کو بہت پسند آیا سب کو میرا منہ چومنے کا حکم ہُوا۔ اس قصیدہ میں مَیں نے بادشاہ کے دانت کو موتی اور خلال کو اور مسوڑوں کو مونگے اور داڑھی کو دریا کی موجوں سے تشبیہ دی تھی +

اختر۔ تشبیہ کسے کہتے ہیں

حاجی بابا۔ دو چیزوں میں کسی چیز کے شریک ہونے کو تشبیہ کہتے ہیں +

کرشن۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ذرا مثالیں کر سمجھائیے +

حاجی بابا۔ دیکھو۔ مثلاً ہم کسی آدمی کو کہیں کہ وہ شیر کی طرح ہے تو اس میں اس آدمی کو شیر سے تشبیہہ دی۔ بہادری ان دونوں میں ہے۔ آدمی میں بھی اور شیر میں بھی۔ تھوڑی سی باتیں اسکے متعلق اور بتلائے دیتا ہوں۔ دیکھو جسکو تشبیہہ دیتے ہیں۔ اس کو مشبّہ کہتے ہیں۔ اور جس سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ اسکو مشبہ بہ کہتے ہیں۔ جیسے اس میں شیر اور جو چیز ان دونوں میں شریک ہوتی ہے۔ اسکو وجہ شبہ کہتے ہیں ؛

ردِلیم۔ تشبیہہ دیتے کیوں ہیں۔ اس سے فائدہ ہی کیا ؟

حاجی بابا۔ جب کسی چیز کی اچھائی بُرائی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تو تشبیہہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے کلام میں خوبی بڑھ جاتی ہے۔ اس سے کلام میں خوبی بڑھ جاتی ہے۔ اس کو غرض تشبیہہ کہتے ہیں۔ ایک بات تم کو اور بتلائے دیتا ہوں۔ تشبیہہ دینے میں ایک حرف کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے کہیں۔ زید شیر کی مثل ہے۔ تو اس میں مثل حرف تشبیہہ کہلاتا ہے ؛

اختر۔ پھر ملک الشعرا نے کیا کہا۔ آگے بیان کیجئے ؛

حاجی بابا۔ تم سب سمجھ بھی گئے ؟ جو کچھ میں نے کہا ؛

اختر۔ ہاں ہاں ؛

حاجی بابا۔ اچھا بتاؤ۔ تشبیہہ میں کتنی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے ؛

اختر- پانچ چیزوں کی ؟

حاجی بابا- وہ کون کون سی ہیں ؟

اختر- ایک تو مشبہ- دوسرے مشبہ بہ- تیسرے وجہ شبہ- چوتھے غرض تشبیہ- پانچویں حرف تشبیہ ؟

حاجی بابا- ہاں، ٹھیک ہے- شاباش- دیکھو ان پانچوں چیزوں کو ارکان تشبیہ کہتے ہیں ؟

اختر- بہت خوب- اب آگے بیان فرمایئے ؟

حاجی بابا- پھر ملک الشعرا نے کہا- کہ لوگوں نے میری بڑی تعریفیں کیں- اور سب نے کہا- کہ تیرے سامنے فردوسی گدا ہے- اس قصیدہ کے صلہ میں بادشاہ نے چاہا کہ مجھکو بہت بڑی رقم ملے- اسلئے اُس نے اپنے بیٹے کو اس سال کا خلعت جو بھیجا- تو میرے ہاتھ بھیجا- راستہ میں خوب بدلے لئے- اور شیراز میں میری بہت قدر ہوئی- اور بڑے بڑے احسان کئے گئے- واقعی مجھے بہت بڑی رقم مل گئی- پرسوں ان ترکمانوں نے ساری رقم مجھ سے چھین لی- پہلے میں اُن پر ہنستا تھا- اب یہ لوگ مجھ پر ہنستے ہیں- اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو تمہارا بڑا احسان ہوگا- میرا سر بہا دینے والا کون ہے- امین الدولہ کو تو میں نے رنجیدہ ہی کر دیا- کیونکہ میں نے ایک دفعہ کی نسبت کہہ دیا تھا- کہ جو گھڑی میں کوک بھی نہیں دے سکتا- وہ ملک

کا انتظام کیونکر کر سکتا ہے۔ اِسوجہ سے وہ مجھ سے خفا ہے ڈر ہے کہ کہیں ملا وشا بھول نہ جائے اور میں رنج وغم میں گھلگھر مرجاؤں۔ جو نقد تھا۔ وہ یوں گیا۔ وطن سے دور، سر بہا کہاں سے لاؤں کیونکہ میرا قصّہ تقدیری ہے۔ اسلئے اسکی شکایت ہی بیجا ہے۔ مَاشَاءَ اللهُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَاءُ لَمْ یَکُن ط

ولیم۔ اس کے کیا معنی ہیں؟

حاجی بابا۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ اسنے چاہا ہو گیا۔ اور جو اسنے نہ چاہا نہ ہوا +

اختر۔ ہاں، پھر +

حاجی بابا۔ ملک الشعرا مجھ سے کہنے لگا۔ کیونکہ تم علیؓ سے محبت کرتے ہو۔ اور معاویہ سے دشمنی اسلئے میں نے ایسا کہا۔ لَا لِحُبِّ عَلِیٍّ بَلْ لِبُغْضِ مُعَاوِیَہ ؎

ولیم معاویہؓ کون؟

حاجی بابا۔ معاویہ رسول اللہ کے صحابی تھے جنہوں نے رسول اللہ کی وفات کے بعد شام میں ایک الگ حکومت قائم کرلی تھی۔ انہیں کا بیٹا یزید تھا جو امام حسینؑ کے ساتھ لڑا تھا۔ شیعہ لوگ حضرت معاویہ کی وہ عزت نہیں کرتے جو سنّی کرتے ہیں۔ معاویہ نہایت سمجھدار اور عقلمند صحابی تھے۔ بہت دنوں تک یہ رسول اللہ کے پاس وحی جو خدا کی طرف سے آتی رہی اسے لکھتے رہے +

ولیم۔ وحی کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ مسلمانوں کے عقائد سے وحی ان باتوں کو کہتے ہیں۔ جو حضرت جبرئیل کی طرف سے لیکر آتے تھے۔ حضرت جبرئیل ایک فرشتہ کا نام ہے +

ولیم۔ تو پھر یہ سمجھا دیجئے۔ کہ فرشتہ کیا چیز ہے

حاجی بابا۔ مذہبی خیال سے فرشتہ ایک روحی مخلوق ہے۔ جسطرح انسان خاک سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح وہ روح سے۔ لیکن سر سید احمد خان نے جو قران کی تفسیر لکھی ہے۔ اسمیں لکھا ہے۔ کہ فرشتہ نام ہے خدا کی قوت کا۔ جیسے جبرئیل خدا کی اس قوت کا نام ہے۔ جسکے ذریعہ نبی کو نیک باتوں کو سمجھایا جاتا ہے +

ولیم مجھے اچھی طرح سمجھا دیجئے۔ کہ وحی اور نبی کسکو کہتے ہیں۔ ایسا سمجھائیے کہ میری سمجھ میں آجائے +

حاجی بابا۔ تو یہ ساری باتیں میں عقلی طریقہ سے بتلاؤں ؟

اختر۔ ہاں ہاں اور کیا +

حاجی بابا۔ اچھا۔ سنو۔ اہل سنت والجماعت میں ایک بڑے عالم گذرے ہیں۔ جنکا نام امام غزالی تھا۔ انہوں نے ایک کتاب عربی میں لکھی ہے۔ اسکا نام احیاء العلوم ہے۔ اسمیں نبی کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ تم دیکھتے ہو۔ کہ دنیا میں بعض بیوقوف ہوتے ہیں۔ بعض عقلمند اور بعض اُنسے عقلمند یہانتک ایک شخص اپنے زمانہ میں ایسا ہوگا جو سب سے زیادہ عقلمند ہوگا۔ اُسکو نبی کہتے ہیں۔ اور جو کچھ بتلاتی ہے۔ اسکو وحی کہتے ہیں۔ لیکن اسبات کو مسلمان نہیں مانتے۔ ہاں۔ صوفی لوگ اسکو مانتے ہیں۔ مسلمان تو اس شخص کو نبی کہتے ہیں۔ جسکے پاس حضرت جبرئیل خدا کی طرف سے حکم لیکر آتے ہیں اور وہ خدائی حکم لوگوں کو دیتا ہے۔ اور

اس پر چلنے کی تاکید کرتا ہے +

کرشن۔ اچھا، تو نبی ایک ہوا ہے یا زیادہ

حاجی بابا۔ نہیں بہت سے ہوئے ہیں۔ اسلام میں نوانکی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے جنمیں سب کے آخر میں ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ وسلم ہوئے ہیں

اختر۔ اچھا، اب تھوڑا سا قصہ اور کہ دیجیے۔ پھر ختم کر دیجیے۔ اب رات بہت ہو گئی ہے +

حاجی بابا۔ تو ملک الشعرا نے یہ خواہش کی۔ کہ جہانتک ہو سکے۔ مجھے ان چھوٹی۔ چھوٹی آنکھوں والے ترکمانوں سے چھڑا دو۔ انشاءاللہ ان کا اجر تم کو آئمہ طاہرین دیں گے +

کرشن۔ آئمہ طاہرین کو تھے +

حاجی بابا۔ شیعہ لوگ بارہ امام مانتے ہیں اور انکو گناہوں وغیرہ سے پاک جانتے ہیں انہیں کو وہ آئمہ طاہرین کہتے ہیں۔ آئمہ امام کی جمع ہے اور طاہر معنی پاک +

ولیم۔ تو وہ بارہ امام کونسے ہیں؟

حاجی بابا۔ سنو، اول ابن ابی طالب۔ دوم حسن بن علی۔ سوم حسین بن علی۔ چوتھے علی بن حسین۔ پانچویں محمد بن علی۔ چھٹے جعفر بن محمد۔ ساتویں موسیٰ بن جعفر آٹھویں علی بن موسیٰ۔ نویں محمد بن علی۔ دسویں علی بن محمد۔ گیارھویں محمد حسن +

اختر۔ اچھا۔ اب ختم کیجئے۔ ہم جاتے ہیں۔ یہ کہکر سب لڑکے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنے گھروں کو چلدئے +

فرہنگ

حاجی بابا

حصّہ اوّل

پ	ا
پرتلا :۔ تلوار کی پیٹی یا وہ تسمہ جس میں تلوار لگتی ہے ٭	امنگ پیدا ہونا :۔ جوش پیدا ہونا
پھولا نہ سمانا :۔ بہت خوش ہونا	آنچ نہ آنا :۔ بچ رہنا ٭
	اجر :۔ بدلہ ٭

چ	ب
چاؤش :۔ وہ سوار جو قافلہ کے آگے آگے چلتا ہے ٭	باچھیں کھل جانا ۔ خوش ہو جانا ٭
چوکنا :۔ ہوشیار ٭	بلاغت :۔ موقع کی بات کرنا

چار آئینہ :- ایک آہنی لباس ہے جو جنگ میں پہنتے ہیں +

چپکن :- ایک قسم کا لباس ہوتا ہے

خ

خلعت :- پوشاک قیمتی لباس +

د

داغ بیل :- بنیاد +

دل کی لگی :- خوب پسند آئی +

داد خواہ :- محبت +

ڈ

ڈاہ :- جلن +

ڈھینگیں مارنا :- شیخیاں مارنا

ر

رفو چکر ہو جانا :- جلد سے چلا جانا +

رنگ جمانا :- بنیاد ڈالنا +

رہنما :- راستہ دکھانے والا +

س

سنگِ اسود :- ایک پتھر ہے جو کعبہ میں رکھا ہوا ہے +

سیّارہ :- وہ ستارہ جو حرکت کرتا ہے +

سر بہا :- وہ روپیہ جو مقتول کے عزیزوں کو قاتل سے دلایا جاتا ہے +

ص

صلہ :- بدلہ +

ط

طبقہ :- حصّہ

ف

فصاحت :- میٹھی میٹھی باتیں کرنا

ق

قال اللہ :- قرآن مجید، خدا کا قول +
قال الرسول :- حدیث۔ رسول کا قول

ک

کان دھر کے سننا :- اچھی طرح سننا
کافور ہو جانا :- دور ہو جانا +
کانوں کی خبر نہ ہونا :- بالکل کسی کو خبر نہ ہونا +
کام تمام کر دینا :- مار ڈالنا +
کسی کی طرف ہو جانا :- کسی کا مددگار ہو جانا +

گ

گت :- حالت +
گلچھرے اڑانا :- خوب مزے کرنا +
گھیٹ لینا :- قبضہ میں کرنا +
گڑگڑانا :- خوشامد کرنا +

م

مذہب امامیہ :- شیعہ مذہب +
منہ میں پانی بھر آنا :- جی للچانا +
مونچھوں کو تاؤ دینا :- مونچھیں مروڑنا
مُستانہ :- انٹیا نہ کیا ہوا + عزت دار
موضوع :- مبحث جس پر بحث کی جائے +

ہ

ہمیانی :- وہ ریہہ جس میں روپیہ پیسہ رکھتے ہیں +
ہوائیاں اڑنا :- منہ فق ہو جانا +
ہُلّڑ :- شور +
ہوائی فیر :- خالی فیر +
ہدیہ :- نذرانہ +

حاجی بابا

حصّہ دوم

حاجی بابا کی ترکمانوں سے رہائی

دوسرے دن اپنے وقت پر لڑکے آ گئے اور حاجی بابا نے یوں کہانی شروع کی :-
جب شاعر اپنی رام کہانی کہہ چُکا - تو مَیں نے اُس کو یقین دلایا ، اور کہا - کہ جہاں تک ہو سکے گا ، مَیں تیرا کام کرنے میں کمی نہ کروں گا - لیکن اِس وقت تجھ کو صبر کرنا چاہیئے - مَیں ڈرتا تھا ،

کہ اگر مَیں بھاگنا چاہوں، تو بڑی مشکل یہ ہے۔ کہ مَیں راستوں سے بھی واقف نہیں اور سارے ترکمان جنگل کے چپّہ چپّہ کو جانتے ہیں۔ وہ میری برابر دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ غیر ممکن ہے۔ کہ مَیں کسی طرف جاؤں، اور وہ مجھے دیکھ نہ لیں۔ اور پھر اُن کے پاس گھوڑے ایسے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ ذرا سی دیر میں وہ میرے پاس ہی ہوں گے۔ اس لئے مَیں بھاگنا دیوانہ پن سمجھتا تھا۔

اب ہم ویران جنگلوں میں پہنچے۔ اور اس راہ سے گزرنے کو تھے، جو طہران سے مشہد کو جاتی ہے۔ یہاں سب لوگ دکان کے پورب کی طرف ارسلان سلطان سمیت ٹھہرنے۔ ارسلان سلطان نے کہا۔ ہم کو دن بھر گڑھوں میں چھپا رہنا چاہیئے۔ شاید ہماری تقدیر سے کوئی قافلہ ادھر آ جائے۔ صبح تڑکے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اور اُس نے خبر دی۔ کہ دمغان کی

سیدھ میں گرد کے دل بادل اُڑتے چلے آ رہے ہیں ٭

یہ سنتے ہی ہم چونک پڑے۔ نرکمانوں نے قیدیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسی مقام پر ڈال دیا۔ اور لوٹ مار کے لئے تیار ہو گئے ٭

ارسلان سلطان سب سے آگے بڑھا۔ تاکہ دشمنوں کی تعداد کو جانچے۔ پھر مجھے اپنے پاس بلایا۔ اور کہا۔ کہ حاجی! یہ ہے وقت بہادری اور چالاکی دکھانے کا۔ تم میرے ساتھ رہو۔ دیکھو تو میں کیا کرتا ہوں۔ اور کیسے کیسے کرتب دکھاتا ہوں۔ تم کو یہ باتیں مجھ سے سیکھنی چاہئیں تاکہ آیندہ تمہارے کام آئیں۔ تم کو میں نے اس لئے بھی رکھا ہے کہ تم ہمارے ترجمان بنو۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے، کہ قافلہ میں ہماری بات کوئی نہیں سمجھتا۔ ہم تم دونوں کو کارواں کے نزدیک جانا چاہیئے۔ اگر وہ لوگ راضی ہو جائیں اور

اپنا سارا مال چپکے سے دے دیں تو خیر، ورنہ پھر ہم سب کارواں پر ٹوٹ پڑیں ۔ جونہی وہ مسافر قریب آئے ۔ مَیں نے دیکھا ، ارسلان سلطان کے چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں ۔

ارسلان سلطان ۔ میرا خیال ہے ، کہ یہ کاروان نہیں ہے ۔ ان کے ساتھ تو بہت سے لوگ ہیں ۔ اگرچہ مَیں نے گھنٹہ کی آواز نہیں سُنی ۔ لیکن ایک طرف سے خاک بلند ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے ۔ یہ ایک بے تعداد سواروں کا پرا معلوم ہوتا ہے ۔ پانچ گھوڑے سوار راستہ بنا رہے ہیں ۔ ان کا لوٹ لینا منہ کا نوالہ نہیں ہے ۔ جب وہ لوگ بہت قریب آ گئے ۔ تو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ کارواں نہیں ہے ۔ بہت غور کرنے سے ظاہر ہوا کہ یہ صوبہ کا گورنر ہے ۔ جو دورے پر جا رہا ہے ۔ بہت سے نوکر چاکر اور سپاہی ہیں ۔ جو اُس کے ساتھ

ہیں ۔

میں یہ دیکھ کر دل میں بہت خوش ہوا کیونکہ یہ ترکمانوں سے بچنے کا اچھا موقع تھا ۔ تدبیر یہ سمجھ میں آئی ، کہ میں ان لوگوں کا قیدی بن جاؤں ۔ اگرچہ پہلے تو گورنر میرے ساتھ بُری طرح پیش آئے گا ۔ لیکن آخر میں کچھ کہہ سُن کر اُسے ٹھیک کر لوں گا ۔ جب میں اسے اپنی رام کہانی سناؤں گا ۔ تو بہت ممکن ہے کہ گورنر پسیج جائے ۔ یہ سوچ کے میں نے ارسلان سلطان سے کہا ۔ کہ چلو ان کے قریب چلیں ۔ اس کی اجازت کا انتظار کئے بغیر میں نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا ۔ وہ مجھے ٹھہرانے کے لئے آگے بڑھا ۔ لیکن میں سیدھا کاروان کی طرف ہو لیا ۔ جب میں ان لوگوں کے بالکل سامنے پہنچ گیا ، تو کچھ سواروں نے مجھے دیکھا ۔ اور میری طرف لپکے ۔ گھوڑا بڑھایا اور میرے پاس آ گئے ۔ میں نے

بھی گھوڑے کو دکھانے کے لئے موڑنا
چاہا۔ ارسلان سُلطان تو ایسا بھاگا، کہ
اُس کا پھر پتہ ہی نہ لگا۔ مَیں ٹھٹک
کر رہ گیا۔ اور اُن لوگوں نے مجھے پکڑ
کر گھوڑے سے اُتار لیا۔ ہتھیار چھین لئے
اور میری پچاس اشرفیاں اور اُسترے بھی
لوٹ لئے۔ میرے پاس اب کچھ بھی نہ
رہا۔ یہ سارا کام چند منٹوں میں تمام ہو
گیا۔ اگرچہ مَیں نے ان لوگوں کو بہت
یقین دلایا، کہ مَیں آپ کے پاس سے
ہرگز نہ جاؤں گا۔ لیکن انہوں نے کچھ
نہ سُنا اور میری کمر سے دوشالہ کھول کر
میری مشکیں کس دیں۔ مجھ پر چاروں
طرف سے گھونسے، مُکے، تھپڑ، چانٹے
دھڑا دھڑ پڑنے لگے۔ پھر گھسیٹتے ہوئے
اپنے سردار کے پاس لائے۔ جو اپنے سارے
لوگوں کو لئے ہوئے دورہ کر رہا تھا*
اس سردار کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا جاتا
تھا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ کوئی

شاہی خاندان سے ہے۔ جب میں ان کے سامنے پہنچا، تو فریاد کرنے لگا۔ کہ ان لوگوں نے مجھے گھونسے نجھپڑ مارتے مارتے ادھ مؤا کر دیا ہے۔ بہت سے لوگ میرے پاس جمع ہو گئے۔ اور مجھ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اُس سردار نے حکم دیا کہ میں چھوڑ دیا جاؤں۔ جب میں چھوٹ گیا دَوڑ کر اس شہزادے کے چُغہ کا دامن میں نے پکڑ لیا۔ جو گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور میں نے کہا۔ شہزادہ سلامت پناہ دیجئے۔ اس پر باڈی گارڈ کا ایک سوار مجھے سزا دینے کے لئے لپکا۔ لیکن شہزادہ نے منع کر دیا، اور مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اور اسنے اپنے ملازموں کو حکم دیا، کہ مجھے کوئی تکلیف نہ دے۔ پھر مجھ سے کہا کہ تم یہاں کیونکر آئے۔ صاف صاف بیان کرو ؛

میں نے گھٹنے کے بل کھڑے ہو کر زمین خدمت کو بوسہ دیا، اور جہاں تک

ہو سکا، مختصر سا حال شہزادہ کے سامنے بیان کر دیا۔ انہیں باتوں میں یہ بھی کہا۔ کہ اگر حضور اپنے سواروں کو قزاقوں پر چھاپہ مارنے کا حکم دیں، تو ایک بہت اچھا آدمی ان لوگوں کی قید سے چھوٹ جائے گا۔ وہ شخص شاہی ملک الشعرا ہے جس کو ان لوگوں نے قید کر رکھا ہے۔ اور اس کا نام فتح علی ہے۔ وہ بتائے گا، میں سچ کہہ رہا ہوں یا جھوٹ۔ میں یہ کہہ ہی رہا تھا، کہ وہ سوار پلٹ کر آئے۔ جو ارسلان سلطان کے پیچھے گئے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں سے ہراس ٹپک رہا تھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ اور بادشاہ کی قسم کھا کر بیان کیا۔ کہ وہاں کثرت سے ڈاکو جمع ہیں۔ غالبا ایک ہزار ہوں گے، جو ہم پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اب شہزادہ صاحب کو ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ میں نے کہا۔ حضور! وہ سب مل کر صرف بیس

ہیں - مگر کسی نے میری بات نہیں مانی - مجھے سب نے جھوٹا سمجھا - اور کہا - کہ خوب سمجھ لے - اگر ترکمانوں نے ہم پر حملہ کر دیا، تو ہم تجھ کو زندہ نہ چھوڑیں گے - پھر یہ لوگ ایسے مقام پر گئے - جہاں سے دشمن کو نہایت اچھی طرح دیکھ سکتے تھے - اور اُن نشانوں سے اُن کی باتوں کا پتہ دے سکتے تھے - جو ایرانی لوگ ترکمانوں کی نسبت جانتے ہیں - میرا گھوڑا تو مجھ سے لے لیا گیا - اور مجھے ایک اسباب والے خچر پر بٹھا دیا گیا - جہاں مجھے اپنے متعلق سوچنے کا اچھا خاصا موقع مل گیا ے

افسوس کیا بتائیں زمانہ نے کیا کیا!
جو کچھ ہوا زمانہ کے ہاتھوں سے ہی ہوا

نہ تو گرہ میں دام - نہ کوئی دوست - اگر کوئی تھا، تو وہ قافلہ کی ڈراؤنی صورت تھی اور بس - میں ایسا پکّا مسلمان تو تھا ہی نہیں، کہ تقدیر پر بھروسہ کر سکے

چپ چاپ بیٹھا رہتا۔ اپنی بیوقوفی پر خون کے آنسو بہاتا رہا۔ کہ میں نے جو کچھ کیا، اپنے ہاتھوں کیا ؛

میں تو اس خیال میں تھا۔ کہ یہ ہمارے وطن والے ہیں، مجھ پر رحم کریں گے۔ لیکن یہ تو قزّاقوں کے بھی باوا نکلے۔ میں دل ہی دل میں ان سب کو گالیاں دے رہا اور بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ جو لوگ میرے ارد گرد تھے۔ اُن سے میں نے کہا۔ کہ کیا تم لوگ اپنے آپ کو اچھا سمجھتے ہو۔ اچھا کہتے ہو۔ لیکن اصل یہ ہے۔ کہ تم وحشی بھی نہیں جانور ہو۔ بلکہ اُن سے بھی بدتر۔ تمہارا نمبر ترکمانوں سے بڑھا ہوا ہے ؛

جب میں نے دیکھا کہ میری گالیوں پر بھی وہ لوگ قہقہہ لگا رہے ہیں۔ تو پھر میں اس بات پر آیا۔ تم کو حسینؑ کا واسطہ۔ نبی آخر الزّمان کی قسم۔ اپنے بچّوں کے صدقہ میں مجھے چھوڑ دو۔ تم مجھے غیر

کیوں جانتے ہو ۔ مَیں تو تم ہی لوگوں میں سے ہوں ۔ کیا مَیں مومن نہیں ؟ مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے ۔ جو یہ ناگہانی مصیبت مجھ پر ٹوٹ پڑی ۔ مَیں نے تو اپنا دوست سمجھ کر تمہارے پاس پناہ لی ہے ۔ اور تم مجھ سے اس طرح پیش آ رہے ہو ۔ کیا تم مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو ؟

اتنی چیخ پکار پر بھی تو کسی نے کچھ رحم نہ کیا ۔ صرف ایک خچّر والے نے مجھ پر ترس کھایا ، اور خچّر سے اُتر کر مجھے حقّہ پینے کو دیا ۔ اور کہا ، کہ بیٹا ! جو کچھ بھی ہوتا ہے ، خدا کی طرف سے ہوتا ہے ۔ دیکھو ، میرا خچّر سیاہ ہے ۔ کیا کوئی اسے سفید کر سکتا ہے ؟ توبہ توبہ ۔ دیکھو ، ایک روز تو یہ دانہ کھاتا ہے اور دوسرے دن اس کو کانٹوں دار درخت کھانا پڑتے ہیں ۔ کیا قسمت سے ہم جھگڑ سکتے ہیں ؟ ع

جو چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہیگا کریگا
تو قلیان پیو، اور خوش رہو۔ خدا کا شکر
کرو دیکھو، حافظ نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ
" تجھے جس قدر خوشی کا وقت ملے
غنیمت ہی سمجھ۔ نہ معلوم آخر میں
کیا ہو "

کرشن۔ یہ حافظ کون تھے؟

حاجی بابا۔ یہ بہت بڑے غزل کہنے والے
شاعر گزرے ہیں۔ شیراز ان کا وطن
ہے۔ "خاک مصلیٰ" سے اُن کی وفات
کی تاریخ نکلتی ہے۔

ولیم۔ "خاک مصلیٰ" سے مرنے کی تاریخ
نکلتی ہے؟ یہ کس طرح؟

حاجی بابا۔ دیکھو! جتنے حروف عربی میں
ہیں، ہر ایک کے لئے کچھ ہندسے مقرر
ہیں۔ تو جب "خاک مصلیٰ" کے حرفوں
کے ہندسے جوڑے جائینگے۔ تو اس
سے وہ سنہ نکل آئے گا۔ جس سال
حافظ مرے ہیں۔

اختر۔ تو ہمیں بھی بتا دیجئے کہ کس حرف کے لئے کونسا ہندسہ مقرر ہے؟

حاجی بابا۔ اچھا، میں ابھی بتائے دیتا ہوں کہ کس حرف کے لئے کیا ہندسہ آتا ہے۔ دیکھو:۔

الف	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰
ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	
۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	
ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ ✤				
۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰				

اب تم کو سمجھاتا ہوں، کہ خاک مصلّیٰ سے کیا نکلتا ہے۔ دیکھو:۔

خ کے ۶۰۰۔ الف کا ۱۔ ک کے ۲۰

اب بتاؤ۔ خاک کے کتنے ہوئے؟

کرشن۔ ۶۲۱ ✤

حاجی بابا۔ ٹھیک۔ اچھا میم کے ۴۰۔ ص کے ۹۰۔ لام کے ۳۰۔ ی کے ۱۰۔

اب بتاؤ۔ مصلیٰ کے کتنے ہوئے؟

وتیم۔ ۱۷۰ ✤

حاجی بابا۔ اچھا، اب ان دونوں کو جوڑ دوگے۔ تو "خاک مصلیٰ" کے عدد نکل

آئیں گے۔ اچھا خاک کے ۶۲۱، اور مصلیٰ کے ۱۷۰، کتنے ہوئے؟

اختر۔ ۷۹۱ ۔

حاجی بابا۔ بس یہی ہجری کا سن ہے جس میں حافظ نے انتقال کیا۔ سمجھ گئے۔ اب قصہ کہوں؟

اختر۔ ہاں ہاں۔ اب قصہ کہیئے۔

حاجی بابا۔ سنو:۔

تو خچر والے کی باتوں سے مجھے کچھ تسکین سی ہوئی۔ جب اُس نے دیکھا کہ حافظ کے شعر مجھے بھی بہت سے یاد ہیں۔ بلکہ اُس سے بڑھا ہوا ہوں، تو وہ مجھ پر اور بھی عنایت کرنے لگا۔ اور راہ میں مجھے اپنا کھانا کھلاتا رہا۔ اُسی نے مجھ سے کہا۔ کہ یہ شہزادہ ایران کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ جس کو بادشاہ نے خراسان کی عملداری سونپی ہے۔ اب یہ مشہد جا رہا ہے۔ جو اس کی عملداری میں داخل ہے۔ یہ جو کچھ بھیڑ بھاڑ

ہے۔ یہ صرف اس نے اپنے ساتھ اس لئے لے لی تھی۔ کہ ترکمانوں کا خوف نہ رہے۔ میں نے بہت سے لوگوں سے سُنا ہے۔ کہ اس کو ترکمانوں سے لڑنے کی بڑی مشق ہو گئی ہے۔ یہ بہت سے ترکمانوں کے سر کاٹ کر طہران بھیج چکا ہے۔ جو بادشاہی دروازہ پر لٹکے ہوئے ہیں۔ تم تو بڑے خوش قسمت ہو کہ بچ گئے۔ اگر تمہارا رنگ گورا۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور بال گھنے ہوتے۔ تو اب تک کبھی کا تمہیں قتل کر ڈال گیا ہوتا۔ اور تمہارا سر بادشاہی دروازہ پر لٹکا ہوا نظر آتا *

ہم لوگ جا کر ایک ایسی سرائے میں ٹھہرے، جو آدھی گری ہوئی تھی۔ رات کو ہم شہزادے کے پاس گئے۔ کہ اُس سے درخواست کریں، کہ میری اشرفیاں سواروں سے دلا دی جائیں۔ اور میرا گھوڑا اور ہتھیار بھی اگر دلا دیئے جائیں۔ تو بہت

اچھا ہے - اگرچہ میں جانتا تھا، کہ جو حق
میرا اُن چیزوں پر ہے - وہی حق اُن
سواروں کا ہے - لیکن میں کہنے کے لئے
تیار ہو گیا - اور موقع کی تاک میں لگا
رہا - شام کو نماز کے بعد میں شہزادہ
کے پاس پہنچا - شہزادہ ایک قالیچہ پر گاؤ
تکیہ لگائے بیٹھا ہوا تھا - اور دربار کے
لوگ اُس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے -
لوگوں نے مجھے روکا - لیکن جب میں نے
کہا - کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے - شہزادہ
نے مجھے قریب آنے کی اجازت دی -
اور مجھ سے پوچھا، کیوں - کیا چاہتا ہے؟
میں نے شہزادہ کے ملازموں کی بہت شکایت
کی - اور کہا، حضور مجھ سے اُنھوں نے
پچاس اشرفیاں چھین لی ہیں - اور گھوڑا
ہتھیار بھی لے لئے ہیں - اگر یہ چیزیں
مل جائیں، تو حضور کی پرورش ہوگی -
اُس نے لوگوں سے پوچھا - کہ جن کی یہ
شکایت کر رہا ہے، وہ کون ہیں - جب

اُن کے نام لئے گئے - تو شہزادہ نے اپنے ایک خاص ملازم سے کہا کہ انہیں فوراً حاضر کرو - جب وہ لوگ سامنے لائے گئے، تو ہیں اُن کو پہچان گیا - اور ہیں نے شہزادہ سے کہا - کہ حضور یہی لوگ ہیں، جنہوں نے مجھ پر یہ ظلم توڑے ہیں.

شہزادہ - حرامزادو! وہ روپیہ کہاں ہے - جو تم نے اس سے اینٹھا ہے؟

دو شخص - حضور! ہم نے تو نہیں لیا *

شہزادہ - اچھا، ابھی بتایا جاتا ہے، تم نے نہیں لیا - فراشوں کو تو بلاؤ، اور ان بدمعاشوں کے کوڑے لگواؤ - تاکہ انہیں یاد آ جائے، کہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں *

حکم ہوتا تھا، کہ کوڑے بازی شروع ہو گئی - جب خوب کھال اودھیڑ دی گئی تو قبولے، کہ ہاں - ہم نے اشرفیاں لی ہیں - اور لیجیئے، یہ موجود ہیں - یہ اشرفیاں شہزادہ تک پہنچائی گئیں - شہزادے نے ان سب کو ایک کر کے گنا - اور

اپنے گاؤ تکیہ کے نیچے رکھ لیا - اور بدمعاشوں کو چھوڑ دیا - اتنے میں شہزادہ نے زور سے کہا ، کہ اسے یہاں سے لے جاؤ - میں ابھی اس امید میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا - کہ اشرفیاں مجھے مل جائیں گی ، کہ ایک شخص نے میرے شانے پکڑ کر مجھے باہر نکال دیا - میں نے خوشامد سے کہا - ارے بابا ہماری اشرفیاں تو دے دو ؛

شہزادہ نے کہا - کیا کہتا ہے - اگر بک بک کرے تو جوتے مار کر نکال دو ؛

یہ سن کر اس نے اپنی سبز جوتی اٹھائی اور میرے منہ پر رسید کی - اس کا نعل میرے بہت زور سے لگا - پھر انہوں نے مجھ سے کہا ، کہ کیوں اب بھی شہزادے سے گستاخی کرے گا - جا چپ چاپ چلا جا - اور آنکھیں کھول ، نہیں تو کان اڑ جائیں گے - اس کے بعد مجھے زور سے دھکا دے کر باہر نکال دیا - اور میں رونا

ہوا چلا آیا۔ یہ ساری کہانی خچر والے سے مَیں نے کہی۔ اس نے یہ سُن کر ذرا بھی تعجب نہ کیا۔ بلکہ مجھ سے کہا، کہ تم اور کیا امید رکھتے تھے۔ کیا وہ شہزادہ نہیں ہے؟

جب ان لوگوں کے ہاتھوں میں کوئی چیز آ جاتی ہے، پھر تو ممکن ہی نہیں ہوتا کہ اُن سے کوئی لے لے۔ بس تم انہیں خچر ہی سا سمجھ لو۔ دیکھو، جب اس کے منہ میں تھوڑی سی گھاس چلی جاتی ہے۔ تو پھر کیا تم اس کے منہ سے ایک تنکا بھی نکال سکتے ہو؟ بس یہی حال شہزادہ کا ہے۔ جہاں کوئی چیز قبضہ میں آ گئی پھر کہاں جاتی ہے۔

رات بہت گئی تھی، اِس لئے یہاں پر حاجی بابا نے قصہ ختم کر دیا۔ اور یہ تینوں لڑکے اٹھ کر اپنے اپنے گھر چل دیئے۔

حاجی بابا کا سقّہ بننا

دوسرے روز شام کو نببتوں لڑکے حاجی کے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ حاجی بابا ایک ہاتھ میں حقّہ لئے ہوئے پیتے جاتے ہیں، اور قِصّہ کہتے جاتے ہیں کہ:۔

ہم مشہد پہنچ گئے۔ شہزادہ نہایت دھوم دھام کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ میں اس وقت ایک ایسے شہر میں تھا، جہاں نہ کوئی یار تھا نہ مددگار۔ کوئی پیسہ تو کیا کوڑی بھی تو نہ تھی۔ کہ جس سے کچھ دل کو ڈھارس رہتی۔ اُسترے تھے، وہ بھی نہ رہے۔ جن سے تسلی کی کوئی صورت تو ہوتی۔ خیال کیا، تو معلوم ہوا کہ اس وقت میرے پاس پانچ تومان باقی ہیں۔ میرے پاس ایک اون کا بھورا کوٹ

بھیڑ کے چمڑے کی جاکٹ، ایک کُرتہ، دو پاجامے اور ایک بھاری بوٹ کا جوڑا بھی تھا۔ کچھ دنوں خچر والا مجھے کھانا دیتا رہا۔ لیکن جب اس کی نوکری جاتی رہی، تو میں بھی بھوکوں مرنے لگا۔ دل میں آیا، کہ پھر اپنا پیشہ شروع کر دوں۔ لیکن اُسترے نہ تھے۔ اگر اُسترے بھی خرید لیتا۔ تو مجھ پر بھروسہ کون کرتا۔ جو میرے آگے سر جھکا دیتا۔ میں وہاں قزاق کے نام سے مشہور تھا۔ اس لئے ہر شخص مجھ سے ... کتراتا تھا۔ میرے خچر والے دوست نے مجھے یہ رائے دی کہ میں سقّہ بن جاؤں۔ کہنے لگا، تم ایک نوجوان اور مضبوط آدمی ہو۔ تمہاری آواز میں اچھی خاصی کڑک ہے۔ تم لوگوں کو ذرا لہراتی ہوئی آواز میں سبیل پلا سکتے ہو۔ تمہیں باتیں بنانا خوب آتی ہیں۔ مسخرا پن بھی اللہ نے اچھا خاصا دیا۔ اس میں تو انہیں باتوں کی ضرورت

ہے ٭

زیارت کرنے والوں کا گروہ امام کا مقبرہ دیکھنے آتا ہے۔ اس وقت وہ خیرات کی ندیاں بہاتے ہیں۔ تم ان کے ہاتھ ایک ایک پیالہ "امام حسینؑ کا صدقہ" کہہ کر بیچ لو۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ لیکن پہلے تو کٹورا آگے کر کے مفت ہی دینا چاہو۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ بے سمجھے دبے ہوئے چلے جائیں۔ جب تمہارا گاہک پانی پی لے تو تم زور زور سے کہو۔ خدا تم کو پانی گوارا کرے۔ خدا کرے تم کو امام حسینؑ اپنی پناہ میں لیں خدا کرے تم کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ غرض اسی قسم کی باتیں کرو۔ کہ سب کے کانوں میں پہنچیں۔ یہ لوگ فرض سمجھ کر یہاں آتے ہیں۔ اس لئے جو کچھ تم کہو گے، اس کو یہ سچ سمجھیں گے۔ میں بھی کبھی کبھی یہاں سقہ بن جاتا ہوں۔ میں یہاں کی تجارت کو خوب

جانتا ہوں۔ یہی پانی پلا پلا کر میں نے یہ خچر خریدے تھے۔ اب جو حالت ہے اس کو تم بھی دیکھ رہے ہو۔"

میں نے اپنے اس دوست کی نصیحت پر عمل کیا۔ اور جو کچھ تومان میرے پاس تھے، اس سے ایک مشک خریدی۔ اور پانی پلانے کا ایک چمکتا ہوا پیالہ بھی اور بہت سا سامان جو اس کام میں ضروری تھا، لے لیا۔ پہلے تو مشک میں پانی بھر کر رکھ دیا۔ تاکہ اس کی بُو جاتی رہے۔ جب بو جاتی رہی، تو اُسے لے کر مقبرہ پہنچا۔ اور کام شروع کر دیا۔ جو صدا پانی پلانے میں لگاتا تھا۔ وہ یہ تھی ۔"سبیل ہے شہیدوں کے نام کی کوئی پیاسا نہ جائے" یہ عجب خوشگوار پانی ہے جگر کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ دانتوں کو گرا دیتا ہے۔ پیاسے کو سیر اور سیر کو پیاسا بنا دیتا ہے۔ اسی پانی سے بہشت کے درختوں کو سینچتے ہیں۔ دوزخ کی آگ کو

اس سے بجھاتے ہیں۔ دو تین روز تک
اسی طرح کیا۔ پھر تو استاد ہو گیا۔ ظاہر
ہے کہ ایسا کام کرنے سے آتا ہے۔
مشہد کے بہشتیوں کی جونہی مجھ پر نگاہ
پڑی، ہوش اُڑ گئے۔ مقابلہ کے لئے
تیار ہو گئے۔ اور چاہا کہ کسی بہانہ سے
کہہ دیں کہ تم کو یہاں سقائی کا حق
نہیں۔ چاہا، میرے ہنر کے سرچشمہ کو
بند کر دیں۔ یعنی کہنہ سے پانی نہ دیں۔
لیکن جب دیکھا۔ کہ میں بھی کوئی کمزور
آدمی نہیں ہوں۔ ایسا نہ ہو، کہ پیٹنے
لگے۔ اور مشکوں کو پھاڑ ڈالے، ٹال
گئے۔ گویا کہ خدا نے مجھے اسی لئے پیدا
کیا تھا۔ میں گندلا پانی تسنیم و کوثر کے
نام سے بیچتا تھا۔

ولیم۔ تسنیم و کوثر کیا چیزیں ہیں؟

حاجی بابا۔ مسلمانوں کے عقیدہ میں یہ
دو نہریں بہشت میں ہیں۔

اختر۔ اس طرح تو آپ نے خوب کما

لیا ہوگا ؟

حاجی بابا - ہاں - ایک مشک کی قیمت دس آدمیوں سے اینٹھ لیتا تھا - پھر بھی پانی مفت نہ دیتا تھا - ہمیشہ تاک میں لگا رہتا تھا کہ کوئی نیا قافلہ آئے اور ہم پہنچیں - ابھی وہ لوگ اپنی چیزوں سے خاک بھی صاف نہیں کرنے پاتے تھے - کہ میں پانی کا پیالہ لے کر پہنچ جاتا تھا - اور کہتا تھا کہ بسم اللہ - فی سبیل اللہ - تم کو خدا ساری بلاؤں سے بچائے - کربلا کے پیاسوں کی یاد میں ایک پیالہ پانی پی لو - مشہد کے گلاب سے چہرہ کو معطّر کرو - پانی کی مشک خدا کے نام پر سبیل کرو - کبھی کبھی اپنے مطلب کے شعر بھی پڑھتا جاتا تھا - ایسی ایسی باتیں بناتا تھا - ایسے ایسے اشعار سُناتا تھا، کہ زیارت کرنے والے پانی پی لینا اپنا فرض سمجھنے لگتے تھے - زیارت کرنے والے اگرچہ مجھ

پر بہت احسان کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی پانی کا ایک قطرہ مفت نہ دیتا تھا*

جب عشرۂ محرّم آیا، جب مذہبی لوگ مصیبت و عزا میں دیوانہ ہو کر عجیب عجیب باتیں کرنے لگتے ہیں۔ تو میں نے چاہا، کہ مشک گردانی کے ہنر دکھاؤں*

کرشن۔ مشک گردانی کے کیا معنی؟

حاجی بابا۔ لوگ بڑی مشک کو پیٹ پر لاد کر پھراتے پھرتے ہیں۔ اس کو مشک گردانی کہتے ہیں*

دسویں تاریخ آئی اور قلعہ کے سامنے شہزادہ کے سامنے تعزیہ رکھا گیا۔ ایک سال پہلے ایک گاؤمیش نام سقہ مشک گردانی میں بازی لے گیا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ گاؤمیش سے ڈرتے رہنا۔ اس کا دوسروں پر داؤں چل جاتا ہے۔ لیکن وہ کسی کے داؤں میں نہیں آتا۔ میں نے کان نہ دھرے۔ وقت آ پہنچا اور شہزادہ قلعہ کی کھڑکی میں آ کر بیٹھا۔

امیر لوگ اس کے بازو سے لگ کر بیٹھ گئے۔ میں بیچ میں آیا۔ میرے سر سے پاؤں تک استروں کے زخم لگے ہوئے تھے۔ اور ان میں سے خون بہ رہا تھا۔ کمر تک ننگا تھا۔ ایک بڑی سی مشک پانی سے بھری میرے کاندھے پر تھی۔ ہانپتا ہوا کھڑکی کے نیچے آیا۔ اور زور زور سے شہزادہ کی تعریف کرنے اور مرثیہ پڑھنے لگا۔ شہزادہ کو اچھا معلوم ہوا۔ ایک اشرفی انعام میں دی۔ لوگ اس کے احسان سے متعجب اور میری حالت سے حیران ہو گئے۔ اپنی مضبوطی دکھانے کے لئے ایک لڑکے کو بلا کر میں نے اپنی مشک پر بٹھا لیا۔ ہر طرف سے 'شاباش' کی صدائیں آنے لگیں۔ میں نے شیخی میں آ کر مشک پر بٹھا لیا۔ گاؤبیش کو موقع مل گیا۔ خود کود کر لڑکوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اگرچہ اپنی بڑائی دکھانے کے لئے میں

نے کچھ نہ کہا - لیکن کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی - اور اسی کے ساتھ ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئی - کمر جھک گئی - شانہ زنجیر سے سیاہ پڑ گیا - اور میرا سارا بدن چھل کر رہ گیا - تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ گاؤبیش اپنا کام کر گیا - اور اب مجھ میں اتنی طاقت نہیں رہی کہ مشک کو اُٹھا بھی سکوں - اب تو لینے کے دینے پڑ گئے - سارا سقائی کا سامان بیچ ڈالا - مَیں نے اس میں جو کچھ کمایا تھا - وہ اتنا تھا کہ میری حالت پہلے سے اچھی ہو گئی تھی - خچّر والا طہران گیا ہوا تھا - اس کی نصیحت پر مَیں نے کان نہ دھرے - مَیں نے چاہا، کہ گاؤبیش پر دعوٰی کروں - لوگوں نے کہا کہ فضول ہے - خیال کیا کہ وکیل کروں - لوگوں نے کہا، کہ خدا کے لئے ایسا نہ کرنا - ورنہ دعوٰی تو خارج ہو ہی جائے گا، اس پر طُرّہ یہ ہوگا -

کہ جو کچھ تو نے کمایا ہے، اس سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ دعوٰی خریدنے والوں نے چاہا کہ دعوٰی کو مفت لے لیں۔ میں راضی نہ ہوا۔ بہر حال کمر ٹوٹ گئی اور آواز کچھ نہ ہوئی ؞

اختر۔ اچھا۔ اب رہنے دیجئے ؞

حاجی بابا۔ بہت اچھا، جاؤ۔ خدا حافظ ؞

تینوں لڑکے اُٹھے، اور اپنے گھروں پر آئے۔ کھانا کھایا اور سو رہے ؞

حاجی بابا کا پھیری کرنے والا ساقی بن جانا

دوسرے روز جب تینوں لڑکے حاجی بابا کے یہاں شام کو جمع ہو گئے۔ تو قصہ کہا جانے لگا۔ حاجی بابا نے کہا، کہ :-

اب میں سوچنے لگا کہ مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ کمر تو ٹوٹ ہی گئی۔ سارے پیشوں پر غور کیا۔ مشہد میں فقیر کثرت سے تھے۔ سقائی بھی اسی کے بھائی بہنوں میں سے تھی۔ اس کی نیچ اونچ سے خوب واقف ہو گیا تھا۔ اور جانتا تھا کہ اگر یہ کام کروں، تو تھوڑے دنوں میں عباس دوس کا داماد ہو جاؤنگا

کرشن - عباس دوس کون تھا ؟

حاجی بابا - یہ عباس دوست کا بگڑا ہوا ہے - یہ ایک کہانی کی کتاب ہے - جس میں لکھا ہے ، کہ ایک شخص عباس تھا - اس کی ایک لڑکی تھی - ایک سوداگر اس کے پاس اُس کی لڑکی سے شادی کرنے آیا - اس نے کہا ، کہ میں اپنی لڑکی کی شادی اس شخص سے کروں گا جو بھیک مانگنے میں اُستاد ہو جائے - اس سوداگر نے بھیک مانگنا شروع کر دی اور آخرکار وہ بڑا اُستاد فقیر ہو گیا - اس وقت عباس نے اس سے اپنی لڑکی کی شادی کی - فقیری میں یہ مثل ہو گئی ہے *

اختر - تو پھر آپ بھیک مانگنے لگے ؟

حاجی بابا - نہیں ، مجھے بھیک مانگنے سے شرم آتی تھی - دل میں آیا کہ ایک بندر یا ریچھ خریدوں - اور مداری بن

جاؤں - پھر خیال ہوا ، کہ ان کا
سکھانا بڑا مشکل ہے - اور مداری بننے
میں بڑی بے حیائی کی ضرورت ہے -
پھر سوچا کہ واعظ بن جاؤں - تو اس
میں حدیثوں کے گھڑنے کی ضرورت
تھی - عربی بالکل نہ جانتا تھا - پھر دل
میں آیا کہ فالگیر ہو جاؤں - دیکھا کہ
فالگیر اور رمال مشٹنڈ ہیں کتوں سے
زیادہ ہیں - اور وہی کھاتے ہیں ، جو
پاپو مرغے کھایا کرتے ہیں - دل میں
آیا کہ پھر حجام ہی بن جاؤں - خیال
ہوا کہ پابند ہو جاؤں گا - اور مشٹنڈ
رہنے کی جگہ نہیں - آخرکار میں نے
دیکھا ، کہ مشٹنڈ میں چرسی ، بھنگڑی ، افیونی
بہت زیادہ ہیں - اور مجھے بھی یہ
لوگ بُرے نہیں معلوم ہوتے - یہ بات
اچھی معلوم ہوئی ، اور میں تکڑ والا بن
گیا - چند نیچے کانٹوں میں لٹکائے -
ایک قوطی میں چلمیں رکھ لیں - پانی

سے بھر کر ایک چھاگل کمر سے باندھی ایک توبرہ تمباکو کا پیٹھ پر ڈالا۔ انگیٹھیاں ہاتھ میں لٹکا لیں۔ چند دستپنے ہاتھ میں لے لئے، اور اِس طرف اُس طرف پھرنے لگا۔ اس حالت میں میں اچھا خاصا۔ . . معلوم ہوتا تھا۔ چار قسم کا تمباکو خریدا۔ طبسی۔ شیرازی۔ شوستری۔ کاشی *

ولیم۔ یہ تمباکو کی قسمیں کیسی ؟

حاجی بابا۔ ارے بھائی، طبسی اس تمباکو کو کہتے ہیں، جو طبس میں بنایا جائے طبس خراسان میں ایک مقام کا نام ہے۔ اور تمباکو کے لئے مشہور ہے۔ شیرازی تمباکو جو شیراز میں بنایا گیا ہو شوستری جو شوستر میں بنا ہو۔ شوستر بھی ایک مقام ہے۔ کاشی، کاشان کا بنا ہوا۔ جو ایک مقام ہے ایران میں *

اختر۔ اچھا ٹھیک ہے۔ تو کیا یہ تمباکو یکساں ہوتے ہیں ؟

حاجی بابا - نہیں ، ان سب میں فرق ہے +

میں کیونکہ تمباکو میں گھاس پھوس ملانے میں اُستاد تھا ہی ، خوب تمباکو بنائے۔ اور خدا رسول سے ذرا بھی شرم نہ کی۔ میں نے چار قسم کے گاہک پیدا کئے تھے۔ بڑے لوگ ، اوسط درجہ کے لوگ کمینہ لوگ ، چھوٹے لوگ۔ بڑے لوگوں کو خالص پلاتا تھا۔ اوسط درجہ والوں کو آدھی ملی ہوئی۔ کمینہ لوگوں کو تمام ملی ہوئی۔ اور چھوٹے لوگوں کو تو سوائے گھاس پھوس کے کچھ نہ پلاتا ہی تھا۔ اور پھر ان سب سے ان کی حیثیت کے موافق کچھ نہ کچھ لے بھی لیتا تھا۔ اور اگر کوئی کچھ کہتا تھا تو کھبت۔ کسان اور تمباکو والے کا نام بنانے میں کمی نہ کرتا تھا +

تھوڑے ہی دنوں میں میں مشہد کا اوّل درجہ کا گکڑ والا ہوگیا۔ تمباکو میں

خوشبو ملانا - اچھی طرح سے چلم بھرنا اور
چالاکی کے ساتھ نہ لگانا مجھ کو اب ایسا
آتا تھا، کہ میں بہت ہی مشہور ہو گیا
اچھے گاہکوں میں ایک قلندر تھا - جس
کا نام درویش سفر تھا - تمباکو کو بہت
اچھا پہچانتا تھا - اس لئے مجھے کبھی جرأت
نہ ہوئی، کہ اس کو ملا ہوا تمباکو پلا دوں
یہ قلندر ہمیشہ اُدھار حقّہ پیتا تھا - اور
ادائی کا نام بھی نہ جانتا تھا - لیکن اسی
کے ساتھ گاہک بہت گانٹھ لاتا تھا - اسی
وجہ سے میں بھی ہنسی خوشی اس کو حقہ
پلایا کرتا تھا - اور اس کی دوستی کو بڑی
نعمت سمجھتا تھا - اس قلندر کا حلیہ یہ
تھا - موٹا تازہ، لمبا تڑنگا، چونچیلی ناک،
سیاہ سیاہ آنکھیں، نکیلا ڈھیلا - گھنی ڈاڑھی
بالوں کی لٹیں کندھوں پر لٹکی ہوئیں -
ایک تاج (ٹوپی)، آٹھ کونوں کا - قرآن
شریف کی آیتوں اور شعروں سے کڑھا
ہوا سر پر رکھے ہوئے - مرگ چھالا پیٹھ

پر پڑا ہوا۔ فقیری سونٹا کاندھے پر۔ ایک بھیک مانگنے کا پیالہ جس میں پیتل کی زنجیریں لگی ہوئی تھیں۔ ہاتھ میں گودڑی اور بستر نہایت عمدگی سے سیا ہوا اونٹ کے بال کی کردھنی جس میں سنگ سلیمانی کے بڑے بڑے دانے لگے ہوئے۔ ہزار دانے کی تسبیح ہاتھ کے گرد لپٹی ہوئی گلی کوچوں میں اس طرح پھرتا تھا، اور خدا کے نام پر اس طرح مانگتا تھا کہ دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹتا تھا۔ میل جول کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ساری باتیں لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے ہیں۔ آدمی بڑا اچھی عادت والا اور سب گُن پورا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہماری اُس کی بڑی دوستی ہو گئی۔ مجھ کو فقیروں کے تکیہ لے گیا۔ اگرچہ ان لوگوں سے مجھ کو کوئی فائدہ نہ ہوا، لیکن انکو بُرا تمباکو نہ پلا سکتا تھا۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ ان کے مُنہ سے حقہ بھی الگ نہ

ہوتا تھا ۔ پھر بھی ان کی باتوں سے
میں ایسا خوش ہوا کہ ساری باتیں بھول
گیا ؛

ایک رات درویش سفر اور دنوں سے
زیادہ حقّہ پینے میں لگا ہوا تھا ۔ مجھ سے
کہنے لگا ۔ حاجی! تجھ پر افسوس آتا ہے
تجھ جیسا عقل اور سمجھ کا آدمی ایسا اندھا
ہو جائے ۔ اس قدر ہمت پست ہو گئی
کہ حقّہ پلا کر پیٹ پالتے ہو ۔ کیا تمہارا
دل یہ نہیں چاہتا کہ تم ہم لوگوں میں
آ جاؤ ، اور خاص لوگوں کے زمرہ میں
داخل ہو جاؤ ۔ یعنی آدمی ہو جاؤ ۔ میں نے
اور لوگوں کی طرح کیا کچھ بے شرمیوں
کی باتیں نہیں کیں ۔ ولی بنا ، معجزہ دکھایا
مردوں کو زندہ کیا ۔ دنیا کے کسی مزہ
کو اُٹھا نہیں رکھا ۔ گو ہماری زندگی دوسروں
پر ہے ، لیکن ہم بڑی آزادی سے رہتے
ہیں ؛

اصل پُوچھو ، تو ہمارا کام ان لوگوں

کی بیوقوفی سے چلتا ہے۔ میں نے جو تم میں بات دیکھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم ہمارے کام کو ترقی دوگے اور ایک دن تم شیخ شبلی کی طرح مشہور ہو جاؤ گے ٭

کرشن۔ شیخ شبلی کون ہے ٭

حاجی بابا۔ یہ جعفر مصری کے بیٹے تھے۔ اور بغداد میں رہتے تھے۔ جنید ایک بڑے ولی گزرے ہیں، یہ اُن کے مُرید تھے۔ ستاسی سال کی عمر میں ۳۳۴ھ میں وفات پائی ٭

اختر۔ تو پھر درویش سفر نے کیا کہا؟

حاجی بابا۔ جب یہ ساری باتیں درویش سفر کہہ چکا۔ تو اور فقیروں نے بھی انہیں باتوں پر زور دیا۔ ہم بھی راضی ہو گئے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی کہا کہ ذرا سوچئے تو، کہ کہاں ہم اور کہاں یہ فقیری۔ مجھ میں فقیری کی صفتیں کس طرح آ سکتی ہیں۔ یہ

سچ ہے کہ میں لکھنا پڑھنا جانتا ہوں۔ اور قرآن مجید بھی پڑھ لیتا ہوں۔ سعدی اور حافظ کا کلام بھی مجھے خوب یاد ہے۔ لیکن اس کے سوا میں بالکل جاہل ہوں ٭ درویش سفر نے کہا۔ ارے یار! تم بہت کچھ جانتے ہو۔ فقیری میں زیادہ علم کی ضرورت نہیں۔ تم جو کچھ جانتے ہو اسی میں ابدال اور اوتاد کا رتبہ حاصل کر سکتے ہو ٭

کرشن۔ ابدال اور اوتاد کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ ابدال تو اُن فقیروں کو کہتے ہیں۔ جس سے دنیا کا انتظام چلتا ہے کوئی کہتا ہے، چالیس ہیں۔ کوئی ستر بتاتا ہے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ صرف سات ہی ہیں۔ اوتاد بھی ایک فقیروں کی قسم ہے۔ یہ چار ہوتے ہیں، جو دنیا کی چاروں سمتوں میں رہتے ہیں۔

اختر۔ تو پھر آپ راضی ہو گئے؟

حاجی بابا۔ ہاں! اس نے یہ بھی کہا کہ

جتنی باتیں تم اس وقت جانتے ہو، وہ بہت ہیں۔ اور باتیں میں تم کو بتاتا جاؤں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تھوڑے ہی دنوں میں تم فقیروں کے گرو گھنٹال ہو جاؤگے۔ اسی تھوڑی سی بے جہائی میں سینکڑوں کام بنتے ہیں۔ اور پھر تو بڑے آرام سے گزرتی ہے۔ جو لوگ ان باتوں کو نہیں جانتے کہ درویشی کیا چیز ہے۔ وہ میری بڑی عزّت کرتے ہیں اور مجھے آنکھوں پر بٹھاتے ہیں؛

درویش سفر جب یہ باتیں بتا چکا، تو اس کے ساتھیوں نے بڑی تعریف کی۔ میں نے چاہا۔ کہ ان کے روزانہ کرتبوں اور ہتھکنڈوں کو جاننے لگوں۔ ان لوگوں نے وعدہ کیا کہ آیندہ ہم اپنی ساری سرگزشت بیان کرینگے۔ اور پھر مجھ سے زور دے کر کہا کہ تم یہ ساری باتیں چھوڑو۔ اور فقیری کے دائرہ میں آ جاؤ پھر تمہاری حالت جو ہو جائے گی۔ اُسے

تم خود ہی جان لو گے ۔ تمباکو بیچنا اور جوتیاں چٹخانا اچھا نہیں ؛

درویش سفر کا قصّہ یہاں تک ہوا تھا کہ لڑکوں نے جانے کی اجازت چاہی۔ حاجی بابا نے قصّہ کو ختم کیا ۔ اور یہ لڑکے اٹھ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے ؛

درویش سفر اور دوسرے دو فقیروں کی سرگزشت

جب دوسرے روز یہ تینوں لڑکے حاجی بابا کے یہاں جمع ہو گئے۔ تو اُس نے یوں قصّہ کہنا شروع کیا:-

ہم سب لوگ ایک جگہ حقّے پی رہے تھے۔ اور دیواروں سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ہمارا سب کا پنچ درویش سفر بھی ہمارے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ سب سے پہلے اُس نے اپنی داستان شروع کی:-

مَیں مداریوں کے اُستاد کا بیٹا ہوں۔ میرا باپ شہزادہ کے دربار کے مسخروں کا افسر تھا۔ اور اس کا دربار میں طاؤس نام تھا۔ اب تم ہی سوچو، ایسے ماں باپ

کے سایہ میں میں نے کیا کچھ نہ سیکھ لیا ہوگا۔ بچپن میں میرے دوست بندر اور ریچھ تھے۔ جو میرے باپ نے پالے تھے۔ ان بندروں اور ریچھوں کو نہ معلوم کیا کیا سکھایا گیا تھا۔ ان ہی کی دیکھا دیکھی مجھے بھی نقّالی آگئی تھی۔ جس کا استعمال میں اپنی زندگی میں کرتا رہا۔ پندرہ برس کے سن میں میں ایک استاد مداری بن گیا۔ مجھے خود بھی آگ پھانکنی آتی تھی۔ پانی کا فوّارہ منہ سے جاری کر سکتا تھا۔ اور ہاتھ کی صفائی کے بہت سے کھیل مجھے یاد ہو گئے تھے۔ میں تھوڑے ہی دنوں میں تمام جگہ مشہور ہو گیا۔ میں ایک دفعہ نوروز کے دن دربار کے لوگوں کے سامنے ایک مضبوط رسّے پر کھڑا ہوا ناچ رہا تھا۔ کہ مجھے دیکھ کر اونٹوں کے توپخانہ کے افسر کی لڑکی مجھ سے محبّت کرنے لگی۔ میرا ایک دوست اونٹ ہانکنے والا تھا۔ اُس کی بہن اس افسر کے یہاں

نوکر۔ تھی۔ اُس نے اپنے بھائی سے کہا
کہ ہماری بیوی رستے پر ناچنے والے شخص
سے محبت کرتی ہے۔ مجھے یہ خبر ملنا تھی،
کہ مَیں مرزا خوشنویس کے پاس پہنچا۔ جو
ایک بازار کے کونہ میں بیٹھا کرتا تھا۔
اور کہا کہ تم مجھے ایک خط لکھ دو۔ جس کے ہر
جملہ سے دل کی بیقراری اور طبیعت کی
بیچینی ٹپکتی ہو٭

ولیَم۔ جملہ کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ یہ زبان کی قواعد کا ایک
لفظ ہے۔ تم کو مَیں سمجھاتا ہوں، کہ
جملہ کیا ہے۔ دیکھو جو کچھ تمہارے
منہ سے نکلتا ہے، اگر وہ ایک آواز
ہوگی۔ تو اس کو حرف کہیں گے۔
اور اگر کئی آوازیں مل کر مُنہ سے
نکلیں گی۔ تو وہ لفظ ہوگا۔ جب کئی
لفظ مل جاتے ہیں۔ اور اس سے کوئی
بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ تو اس کو
جملہ کہتے ہیں٭

ولیم - ہم سمجھے نہیں - ذرا مثالیں دے کر سمجھا دیجئے *

حاجی بابا - اچھا ، سمجھو! دیکھو جب ہم نے کہا ، اَ - تو ایک آواز منہ سے نکلی - با بَ - یہ بھی ایک آواز ہے - جب جب ہم نے ان دونوں آوازوں کو ملا دیا - تو ، اَب ، ہو گیا - اسی کو لفظ کہتے ہیں - اسی قسم سے جب کئی لفظ مل جاتے ہیں - تو جملہ ہو جاتا ہے - جیسے "میں اب جاتا ہوں" اس میں تین لفظ ہیں - میں - اَب - جاتا ہوں - ان لفظوں کے مجموعہ سے تمہاری سمجھ میں ایک بات آ گئی ہوگی بس اسی کو جملہ کہتے ہیں - اب اچھی طرح سمجھ میں آ گیا نا ؟

ولیم - جی ہاں *

حاجی بابا - اچھا - اب آگے بیان کروں ؟

اختر - ہاں ہاں بیان کیجئے *

حاجی بابا - تو اُس نے کہا :-

میں اتنی خوشی میں آیا کہ میں نے فوراً اس کا نام بھی بتا دیا۔ نام کا بتانا تھا کہ خط مزدوری وزدوری تو رہی ایک طرف وہ سیدھا اُٹھ کر توپخانہ کے جنرل کے پاس گیا۔ اور میرا سارا کچّا چٹھا اس سے کہہ دیا۔ جنرل کی دربار میں بڑی آؤ بھگت تھی۔ اُس نے بادشاہ سے کہہ کر مجھ کو شیراز سے نکال دیئے جانے کا حکم دلا دیا۔ ایک تو یہ بات تھی، دوسرے میرے باپ کو یہ بھی خیال ہو گیا تھا۔ کہ میری شہرت شہر میں بہت ہوتی جاتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں اسکا مقابل ہو جاؤں۔ غرض ان باتوں کو دیکھتے ہوئے مجھے شہر چھوڑنے پر راضی کیا گیا۔ صبح جبکہ میں شیراز سے روانہ ہونے کو تھا۔ اور سب سے جدا ہو رہا تھا۔ میرے باپ نے مجھ سے کہا۔ بیٹا! تمہاری جدائی کا مجھے بہت صدمہ ہے۔ تم نے جو کچھ سیکھ لیا ہے۔ انشاءاللہ تم اس

سے فائدہ اُٹھاؤ گے۔ میں تمہیں اس وقت
ایک ایسی چیز دیتا ہوں۔ جس سے ساری
دنیا کی دولت تم گھسیٹ سکو گے۔ میں
تم کو اپنا ایک خاص بندر دیتا ہوں۔
جو سب بندروں سے عمدہ ہے۔ تم اس
کو اپنا سچّا دوست سمجھنا۔ اور سمجھنا کہ
وہ میں ہی ہوں۔ اس سے میری سی
محبت کرنا۔ مجھے اُمید ہے کہ تم تھوڑے
ہی دنوں میں ایسی عزّت و ناموری پیدا
کر لو گے۔ جیسی مجھ کو حاصل ہے۔ اس کے
بعد میرے باپ نے اس بندر کو میرے
کندھے پر بٹھا دیا۔ اور اس طرح میں
اپنے باپ سے جدا ہو کر سیدھا اصفہان
کی طرف روانہ ہو گیا۔ اگرچہ میرا دل
نہ چاہتا تھا کہ اپنے وطن کو چھوڑوں۔
اور اپنے بچپن کے دوستوں سے جدا
ہوں۔ لیکن کیا کرتا۔ اسی رنج و غم
میں میں ایک درویش کے جھونپڑے تک
پہنچا۔ جو اس قدر تنگ تھا، کہ توبہ توبہ

میرا دماغ رنج و غم میں ڈوبا ہوا، اور مایوسی اور ہراس سے مغلوب تھا۔ میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا ؎

کہاں ہم اور کہاں غم ہم کو غم سے کچھ غرض مطلب
وے اے حضرتِ دل تم نے ہم پر مہربانی کی

میں جھونپڑے کے قریب ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ اور ایک طرف بندر کو بٹھا لیا۔ غم سے میری آنکھیں آنسوؤں سے ڈوبی ہوئی تھیں۔ اور اسی حالت میں میں زور زور سے یہ کہہ رہا تھا۔ ہائے رے۔ ہائے رے۔ یہ دو لفظ اس طرح منہ سے نکل رہے تھے کہ سننے والوں کا جگر پھٹتا تھا میری یہ آواز سُن کر وہ درویش باہر نکل آیا۔ اور میری ساری حالت سُن کر اندر لے گیا۔ جھونپڑے میں میں نے ایک اور فقیر دیکھا۔ جو اس سے بھی زیادہ رعب داب کا تھا۔ وہ ایسے ہی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ جیسے میں اس وقت پہنے ہوئے ہوں بلکہ جو ٹوپی میں اس وقت پہنے ہوئے ہوں

اُسی کی ہے - اُس کے دیکھنے سے وحشت ٹپکتی تھی - لیکن یہ ساری وحشت بناوٹ کی تھی ، نہ کہ اصلی *

ان دونوں فقیروں نے میرے ساتھ بہت ہمدردی سے برتاؤ کیا - اور سمجھایا ، کہ گھبراؤ نہیں - پھر کہا کہ تم میرے ساتھ اصفہان چلو - میں تم کو ایسے رستہ پر ڈال دوں گا - کہ جس میں تم خوب دولت کما لوگے - میں نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا - جھونپڑے والے درویش نے ہمیں حقہ پینے کے لئے دیا - پھر ہم دونوں اٹھ کر باہر چلے آئے - اس درویش کا نام "بے دین" تھا - یہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ تمہاری پچھلی زندگی کس طرح گزری - اور تم نے اب تک کیا سیکھا جب ہم نے اپنی اُستادیاں بیان کیں - تو وہ بہت خوش ہوا ، اور مجھ سے کہنے لگا - کہ اس کمبخت بندر ریچھ نچانے کے پیشہ میں کیا رکھا ہے - آخر میں نے

اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی - اُس نے مجھ سے کہا - کہ اگر تم نے مجھے اپنا استاد اور مالک سمجھا، تو مجھے جو کچھ بھی آتا ہے وہ سب تجھے بتلا دوں گا - پھر اُس نے جادو اور نجوم کا ذکر کیا - اور کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے جادو ٹونے کئے ہیں - یہ اسی کا صدقہ ہے، کہ اس قدر زیادتی کے ساتھ دولت میرے پاس جمع ہو گئی ہے - ایک خرگوش کی دُم بچّہ کے پالنے میں رکھ دو - اُس کو فوراً نیند آ جائے گی - اور اگر خرگوش کا خون کسی گھوڑے کو پلا دو - تو وہ بڑا تیز قدم ہو جائے گا - بھیڑیے کی انگلی کا جوڑ لڑکے کے چھوا دو - وہ بڑا بہادر ہو جائے گا - اگر تم بھیڑیے کی چربی کسی عورت کے جسم سے مل دو - تو اس کا شوہر خود بخود اس سے محبّت کرنے لگے گا - اور اگر اسی کا پتّا اسی طرح عورت سے مل دیا جائے - تو اُس کے

یہاں اولاد پیدا ہوگی۔ چرخ کی مادہ کا چمڑا اگر تمام جسم پر لپیٹ لیا جائے۔ تو اُس شخص سے تمام دنیا محبّت کرنے لگے گی۔ اور خود بخود ہر ایک کا دل اس کی طرف کھچنے لگے گا۔ اسی قسم کی اس نے بہت سی باتیں بیان کیں۔ یہاں تک کہ مجھے اس کی باتوں میں بڑا مزہ آنے لگا۔ پھر درویش بیدین نے کہا۔ سفر! تم نہیں جانتے کہ جو بندر تمہارے پاس ہے۔ وہ کتنا بڑا خزانہ ہے۔ لیکن جب تک یہ زندہ ہے۔ مٹی ہے۔ مگر اس کے مرنے کے بعد تمہاری قسمت کھل جائے گی۔ اس کے مردہ ہو جانے سے اس سے بہت سے جادو کیے جا سکتے ہیں۔ بادشاہی محلوں میں اس کی ایک ایک چیز سونے کے بھاؤ بک جائے گی۔ تم کو معلوم نہیں۔ کہ بندر کا کلیجہ کتنی کام کی چیز ہے۔ اور پھر جو بندر تمہارے پاس ہے۔ یہ کسی کو کہاں ملتا ہے۔ اس کی

ناک کا چمڑا اگر ناک کے گرد لپیٹ لیا جائے۔ تو زہر ہرگز اثر نہیں کر سکتا۔ اگر اس بندر کو دھیمی دھیمی آگ میں جلایا جائے۔ اور یہ راکھ ہو جائے۔ تو یہ راکھ اسی قسم کے بندروں کے لئے نہایت فائدہ مند چیز ہے۔ انہیں چالاک اور ہوشیار بنا دیتی ہے۔ اور نقل کرنے کی قوت ان میں بہت آ جاتی ہے۔ جو کچھ ان کے سامنے کرو۔ فوراً سیکھ لیں گے۔ پھر کہنے لگا۔ کہ ہم اس کو ضرور ذبح کریں گے۔ اور ضرور ذبح کریں گے +

میں اس بات سے بہت گھبرایا۔ پھر ہم دونوں باہر نکلے۔ ہم سوچ رہے تھے۔ ایسے بندر کو اس طرح کیونکر کھوئیں۔ میرا دل اس پر کڑھ رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ درویش بے دین کو خشک جواب دے دوں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا۔ اور گرگٹ

کی طرح رنگ بدلنے لگا - مَیں ڈرنے لگا
کہ کہیں یہ زبردستی نہ چھین لے - پھر
مَیں اس وقت کچھ بھی نہیں کر سکتا -
آخر کار مَیں راضی ہو گیا - وہ درویش اُس
بندر کو پہاڑ کی طرف لے چلا - ہم نے
گیہوں کے پودوں کی سوکھی جڑیں اکٹھی
کر کے درہ میں رکھ کر آگ جلائی -
درویش بے دین نے میرے بندر کو پکڑ
لیا - اور فوراً مار ڈالا - پھر اُس کو
چیر پھاڑ کر اس کا کلیجہ نکال لیا - اُس
کی ناک کا چمڑا لے لیا - اور پھر اسی
آگ میں رکھ دیا - جب یہ جل بھُن کر
راکھ ہو گیا - تو ساری راکھ ہوشیاری کے
ساتھ اٹھا کر اپنے رومال کے ایک کونہ میں
باندھ لی - پھر ہم دونوں مل کر روانہ
ہو گئے *

ہم ٹھیک وقت پر اصفہان پہنچے -
وہاں مَیں نے بھان متی کے کپڑے اُتار
ڈالے - اور فقیری کے کپڑے پہن لئے -

اور سیدھے طہران کی طرف بڑھے - یہاں میرے پیر کی بہت آؤ بھگت ہوئی - جونہی لوگوں نے سُنا، کہ یہ آگیا ہے تو لوگ اس کے دیکھنے کے لئے جوق جوق آنے لگے - اور اس سے گنڈے تعویذ لینے لگے - ماؤں نے اپنے بچوں کو نظرِ بد سے بچانے کے لئے تعویذ مانگے - بہنوں نے یہ کہا کہ پیر جی کچھ ایسا کر دو - جس سے میرا شوہر میرے قابو میں ہو جائے - بہت سے سپاہی لوگ بھی آئے اور کہا کہ مجھ کو کچھ ایسا کر دیجئے - کہ جنگ میں کوئی حربہ اثر نہ کرے - لیکن بادشاہ کے محل کی عورتیں اس کے خاص گاہکوں میں تھیں - ان کا دلی مطلب یہ تھا جس کے لئے وہ جان دیتی تھیں کہ کسی طرح بادشاہ اُن کی طرف مائل ہو جائے ان باتوں کے لئے اس درویش نے جو جو چیزیں بہم پہنچائی تھیں - وہ قابل تعریف تھیں - اس کے پاس سیاہ گوش کے بال

تھے ۔ اُلّو کی پیٹھ کی ہڈی تھی ۔ اور بہت سی باتوں کے لئے ریچھ کی چربی بھی تھی
بادشاہی محل میں ایک عورت تھی ۔ جس کی عمر زیادہ ہو گئی تھی ۔ اور اس وجہ سے وہ بادشاہ کی نظروں سے گر گئی تھی
اس کے ہاتھ درویش بیدین نے میرے بندر کا کلیجہ بیچا ۔ اور اس بیگم کو یقین دلایا ۔ کہ جب تم اس کلیجہ کو جسم کے کسی حصہ میں باندھ کر بادشاہ کے آگے جاؤگی ۔ تو بادشاہ تم کو سب بیگموں سے زیادہ چاہنے لگے گا ۔ ایک بیگم نے یہ شکایت کی ۔ کہ بادشاہ ہماری طرف نظر ہی نہیں ڈالتے ۔ درویش نے اس بندر کی راکھ اس عورت کو دے دی ۔ کہ اس کا جوشاندہ بنا کے پی جانا ۔ تیسری بیگم نے یہ کہا ۔ کہ میرے جھریاں پڑ گئی ہیں ۔ کوئی ایسا جادو کر دو ۔ کہ یہ جھریاں دور ہو جائیں ۔ درویش نے ایک تیل اس کو دے کر کہا ۔ کہ اس کو اس طرح

ملنا - یہ ساری جھریاں دور ہو جائیں گی۔
اور چہرہ کی کھال درست ہو جائے گی ÷
میں ان ساری باتوں سے خوب واقف
ہو گیا - میرا پیر لوگوں کے دلوں پر
رعب جمانے کے لئے ایسی ایسی باتیں بنانا
تھا - کہ اللہ ہی بچائے - نہ جس کے سر
نہ پیر - اس لئے اس بندر کی چیزوں سے
خوب کمایا - لیکن مجھے ایک کوڑی بھی نہ
دی - ہم درویش ببدین کے ساتھ شہروں
شہروں پھرے - اور ہر جگہ ولیوں کی طرح مانے جاتے
تھے - اور کہیں بھکاریوں کی طرح زندگی
زندگی بسر کرتے تھے - پیدل ہی چلتے
تھے - اس لئے جہاں جانا ہوتا تھا -
وہاں کی ہر چیز کو غور سے دیکھتے تھے -
ہم طہران سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ
ہوئے - اور قسطنطنیہ سے الیپو اور دمشق
ہو کر قاہرہ چلے گئے - پھر قاہرہ سے مکہ
مدینہ آئے - اور وہاں سے جہاز میں بیٹھ
کر جدہ پہنچے - جدہ سے سورت اور سورت

سے گجرات اور گجرات سے لاہور اور کشمیر پہنچے ❊

وِلیم ۔ یہ سارے نام جو آپ نے گِنا ڈالے ۔ یہ تو فرمائیے ، کہاں کہاں واقع ہیں ؟

حاجی بابا ۔ قسطنطنیہ کے متعلق تو میں تم کو بتلا چکا ۔ الیپو ، دمشق ، قاہرہ مکّہ ، مدینہ ، جدّہ یہ سارے مقام عراق میں واقع ہیں ۔ اور سورت ، گجرات کشمیر ، لاہور ہندوستان کے مشہور مقام ہیں ۔ جن میں سے کشمیر کا ذکر میں پہلے کر چُکا ہوں ۔ گجرات ایک صوبہ ہے ۔ جہاں پہلے بہت دنوں تک حکومت رہی ہے ۔ لاہور ہندوستان کے شمال کی طرف پنجاب میں واقع ہے ۔ پنجاب کا دارالحکومت ہے ۔ بہت آباد ہے یہ شہر دریائے راوی کے کنارے ہے ۔ شہنشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کا مقبرہ یہیں ہے ۔ قلعہ نہایت بڑا بنا

ہوا ہے ٭

اختر - اچھا خیر - اب قصّہ بیان کیجئے ٭

حاجی بابا - ہاں ، تو اُس نے کہا ٭

درویش کچھ دنوں کشمیر میں ٹھہرا ، اور اس غرض سے کہ لوگوں کو خوب لوٹے - لیکن لوگ ہم کو تاڑ گئے - اس لئے وہاں سے چھپ کر بھاگنا پڑا - یہاں سے ہم ہرات چلے آئے - یہاں ہم نے بہت فائدہ اُٹھایا - کیونکہ افغان کچھ ایسے بھولے ہوتے ہیں کہ جو کچھ اُن سے کہدیا جائے وہ ٹھیک جان لیتے ہیں - لیکن یہاں درویش عجب کھیل کھیلا - نبی بنا - اور جب معجزہ دکھانے کا وقت آیا - تو دنیا ہی سے رخصت ہو گیا - ہم ایک تکیہ میں پہاڑ پر ٹھہرے ہوئے تھے - ہم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اس کے لئے آسمان سے کھانا اُترتا ہے - ایک روز رات کو ایک بُھنا ہوا بکری کا بچّہ ۲½ سیر روٹی کے ساتھ کھا گیا - جس سے ہیضہ ہو گیا - اور مر

گیا ۔

کرشن ۔ ذرا ٹھہریئے ۔ آپ سے کچھ پوچھنا ہے ۔ ذرا معجزہ کو تو سمجھا دیجئے ۔

حاجی بابا ۔ اس کام کو کہتے ہیں ۔ جس کے کرنے سے لوگ عاجز ہو جائیں ۔ جب کوئی نبی اپنی نبوت ثابت کرنا چاہتا ہے ۔ تو کچھ ایسی بات کرتا ہے جس کو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا ۔ اُس کو معجزہ کہتے ہیں ۔

ہیضہ کس کو کہتے ہیں ۔ اور اس سے لوگ کیوں مر جاتے ہیں ؟

ہیضہ ایک بیماری ہوتی ہے ۔ جو چھوت سے پیدا ہوتی ہے ۔

مکان ۔ بستر ۔ کپڑے ۔ بدن اور خاص کر معدہ اور جگر کے مبتلا رہنے سے یہ مرض پیدا ہوتا ہے ۔ جلد ہضم ہو جانے والی غذائیں ایسی مقدار میں کھانا جو نہ زیادہ ہوں نہ کم ہیضہ سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے ۔ یہ بیماری زیادہ تر

برسات کے موسم میں اور کبھی کبھی
دوسرے موسموں میں بھی پھیل جاتی ہے
کچھ کیڑے ہوتے ہیں۔ جن کی خوراک
گندی چیزیں ہوتی ہیں۔ جس طرح ہم
کھانا کھاتے ہیں، اسی طرح یہ بھی۔
یہ کیڑے اپنی خوراک حاصل کرنے کے
لئے جہاں میلا پاتے ہیں۔ وہاں داخل
ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انسان کو
چاہیئے کہ ہیضہ کے زمانہ میں ایسی چیزوں
سے پرہیز کرے، جو گندی ہوں۔ جب
یہ کیڑے کسی چیز کے ذریعہ سے جسم
میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تو ان کا
زہر سارے جسم میں پھیل جاتا ہے۔
اور معدہ اور جگر اس قدر کمزور ہو
جاتا ہے۔ کہ برداشت نہیں کر سکتا۔
اور دست شروع ہو جاتے ہیں۔
قے آنے لگتی ہے۔ اور جب زیادتی
ہوتی ہے۔ تو اس کا اثر دل اور
دماغ پر بھی ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں

چیزیں بیکار ہو جاتی ہیں - اس طرح انسان مر جاتا ہے - اس لئے ہم کو چاہیئے ، کہ جب یہ بیماری پھیل رہی رہی ہو - تو بہت احتیاط کریں - اور صاف ستھرے رہیں - پانی کو جوش کر کے پیئیں - ترکاری وغیرہ گلی سڑی نہ کھائیں - اور جو ترکاری کھائیں ، اس کو دھو کر استعمال کریں - غذا کو مکھیوں سے بچائیں - کیونکہ یہ مکھیاں دوسری چیزوں سے اپنے ساتھ زہر لاتی ہیں - جب کوئی آدمی اس بیماری سے بیمار ہو جائے - تو اس کو ایسی دوا نہ پلانا چاہیئے - جو دستوں کو روک دے ایسا ہونے سے زہر سارے بدن میں پھیل جاتا ہے - بلکہ ایسی چیزیں استعمال کرانا چاہیئیں - جن سے معدہ صاف ہو جائے - پیٹ پر اینٹ کا ٹکڑا گرم کر کے باندھنا اور پاؤں کو گرمی پہنچانا اس کے لئے مفید ہے - اس میں

سب سے بڑی ضرورت یہ ہے۔ کہ صفائی کا حد درجہ خیال رکھیں۔ اور کیڑوں کے مارنے والی دوائیں اچھی طرح کام میں لائیں۔ اگر یہی دوائیں لائی سول اور پوٹیسی پرمینگینیٹ کا استعمال بہت مفید ہے ٭

اختر۔ اوہو۔ یہ تو بڑی بری بیماری معلوم ہوتی ہے۔ خدا بچائے ٭

حاجی بابا۔ خیر۔ اب آگے قصہ سنو۔

درویش سفر نے کہا :-

مَیں نے اُس کی آبرو بچانے کے لئے کہا۔ کہ جنّوں نے روحانی کھانا اس قدر کھلا دیا کہ روح کے آنے جانے کا راستہ بھی نہ رہا۔ جِنّ جسم کو چھوڑ گئے۔ اور اُن کو چوتھے آسمان پر حضرت عیسیٰ کے پاس اُٹھا لے گئے ٭

کرشن۔ حضرت عیسیٰ کون تھے ؟

حاجی بابا۔ یہ عیسائیوں کے پیغمبر تھے۔ مُسلمان لوگ بھی ان کو پیغمبر جانتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ یہ بن باپ کے حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے - انہوں نے عمر بھر شادی نہ کی - اور نہ گھر بنایا - روزانہ چوراہے پر وعظ کیا کرتے تھے - اور جہاں شام ہو جاتی تھی - وہیں اپنی گدڑی بچھا کر سو جاتے تھے - آخر میں یہودیوں نے ان کو سولی پر چڑھا دیا - لیکن مسلمان کہتے ہیں کہ یہ مرے نہیں - بلکہ جس وقت یہ سولی پر چڑھائے گئے - تو خدا نے ان کی بجائے ایک فرشتہ کو بھیج دیا - جو اُن کی جگہ پر کھڑا ہو گیا - وہ سولی دیدیا گیا - اور اُن کو چوتھے آسمان پر اُٹھا لیا گیا - وہاں وہ اب تک زندہ ہیں - اور قیامت تک زندہ رہیں گے - قیامت کے نزدیک وہ پھر دُنیا میں آئیں گے ان کی مذہبی کتاب انجیل ہے - جس کو عیسائی نمازوں میں پڑھا کرتے ہیں - اور بہت تعظیم کرتے ہیں *

اختر۔ تو بس اتنا ہی کہا۔ کہ وہ اُٹھا کہ لے گئے۔ یہ نہ بتلایا۔ کہ کس طرح لے گئے ٭

حاجی بابا۔ ہاں ہاں۔ بتایا کیوں نہیں۔ اُس زمانہ میں بہت تیز ہوا چل رہی تھی۔ اس لئے اُس نے کہدیا۔ کہ یہ ہوا کا چلنا درویش کا معجزہ ہے۔ مگر وہ بوڑھے لوگ جو اس ہوا کو ہمیشہ چلتا ہوا دیکھتے رہتے تھے۔ انہوں نے اس پر ذرا بھی یقین نہ کیا۔ لیکن ان کی یہ بے اعتقادی ذرا بھی نہ چلی کیونکہ وہ لوگ ایسے تھے۔ جیسے آٹے میں نمک۔ درویش بہت عزّت کے ساتھ دفن کیا گیا۔ ہرات کا حاکم خود اس کا لاشہ اپنے کندھوں پر قبر تک لے گیا۔ افغانوں نے اس کا بہت بڑا مقبرہ بنا دیا۔ جو قیامت تک اُن کی بیوقوفی کی زیارت گاہ بنا رہیگا ٭

اختر۔ آگے چلئے۔

حاجی بابا۔ درویش سفر نے کہا :۔

"میں اپنے ساتھی درویش کے مرنے کے بعد بہت دنوں تک ہرات میں رہا۔ اور لوگوں کو گنڈے تعویذ دیتا اور اُن کو لوٹتا رہا۔ میں نے درویش کے بالوں، کنگھوں اور دوسری چیزوں سے بہت فایدہ اُٹھایا۔ اور اس سے اچھی خاصی رقم پیدا کر لی۔ لیکن پھر مجھے خیال ہوا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ میں یہ تجارت برابر کرتا رہوں۔ اور زک اُٹھاؤں۔ واقف کار لوگ میری قلعی کھول دیں۔ اور میں پکڑا جاؤں۔ میں وہاں سے چل دیا۔ اور سارے ایران میں پھرتا ہوا ہزارہ کے قبیلوں میں آیا۔ وہاں میرا کام خوب بنا اور جو کچھ درویش سے رہ گیا تھا۔ اُس کو میں نے پورا کر دیا۔"

اس کے بعد اُس نے اپنا ہاتھ دوسرے فقیر کے پہلو پر مارا اور کہا۔ "یہ فقیر اس شعبدہ میں میرے ساتھ تھا۔ یہ جانتا ہے

کہ کِس اُستادی سے مَیں پلاؤ پکاتا تھا۔ کہ کھاتے چلے جاؤ۔ ذرہ برابر کم نہ ہوتا تھا۔ سارے ہزارہ کے قبیلے اور خاصکر وہ لوگ جنہوں نے میرا پلاؤ کھایا۔ وہ تو میرے ہی ہو کر رہ گئے۔ جس کا شہرہ سارے خراسان میں تھا۔ وہ مَیں ہی ہوں۔ اگرچہ کئی دفعہ بادشاہی لشکر نے ہم پر حملہ کیا۔ مَیں اُن کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ لیکن سچ تو یہ ہے۔ مَیں نے اُنہوں کو بیوقوف بنا لیا تھا۔ کہ اب تک چین سے ان ہی کے پیسے سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اور کرونگا۔ کچھ دنوں سے مَیں یہاں مشہد میں ہوں حال ہی میں مَیں نے اندھوں کو انکھیارا بنانے کی تدبیر کی تھی۔ لیکن کارگر نہ ہوئی۔ اعتبار جاتا رہا۔ نہ معلوم اس کا کیا نتیجہ ہو۔ بس میری سرگزشت یہ ہے +

درویش سفر کے بعد اس فقیر نے اپنا حال بیان کرنا شروع کیا۔ جو درویش سفر

کے خراسان کی پیغمبری کے زمانہ میں اُس کے ساتھ تھا۔

دوسرے درویش کی سرگزشت

"میرا باپ مُلا تھا۔ قم کے مُلاؤں میں وہ بہت زیادہ شہرت رکھتا تھا"۔

ولیم۔ قم کہاں ہے؟

حاجی بابا۔ ایران میں ایک مشہور شہر ہے جہاں ایک امام کی لڑکی کا مزار ہے۔

اختر۔ ہاں، تو پھر اُس نے کیا کہا؟

حاجی بابا۔ اُس فقیر نے کہا۔

میرا باپ نماز روزہ اور پرہیزگاری میں بہت مشہور تھا۔ اور عبادت اور اطاعت میں اس کا اتنا شہرہ تھا۔ کہ اُس کے وضو کے پانی کو بچا کر بیمار کو پلایا کرتے تھے کہ اس کی برکت سے وہ اچھا ہو جائے۔ اور غسل کے پانی کو دوا کے نام سے فروخت کرتے تھے۔

ہمارے کئی بھائی تھے۔ میرا باپ چاہتا تھا کہ سب اسی کی طرح ہوں۔ اُس نے مجھ پر اتنی سختی کی کہ فریب اور دکھاوٹ میری عادت ہو گئی۔ اور آخرکار میری یہ عادت دوسری طبیعت بن گئی۔ میں لوگوں میں جھوٹ بکنے اور کپٹ میں اتنا مشہور ہو گیا۔ کہ کسی جگہ کسی کے سامنے سر نہ اُٹھا سکتا تھا۔ ایران میں میری ایسی شہرت ہو گئی۔ کہ مجھے وہاں زندگی کے دن کاٹنا دشوار ہو گئے۔ آخرکار میں ذلت سے بچنے کے لئے فقیر ہو گیا۔ میری شہرت کا سبب یہ ہوا۔ کہ سب سے پہلے میں طہران پہنچا۔ اور ایک عطار کے گھر کے برابر اُترا۔ ابھی اچھی طرح وہاں بیٹھا بھی نہ تھا۔ کہ کسی نے نہایت زور سے دروازہ کی زنجیر کھٹکھٹائی۔ اور کہا کہ ہمارا پڑوسی اُستاد عطار قولنج کے درد سے تڑپ رہا ہے۔ اور مرا جاتا ہے۔ دنیا بھر کی دوائیں اسکو دی گئیں۔ لیکن

کسی نے کچھ بھی فائدہ نہ کیا - مجھ کو
بھیجا ہے کہ آپ تعویذ لکھ دیں - شاید
آپ کی برکت سے وہ اچھا ہو جائے -
میرے گھر میں قلم دوات تو تھا ہی نہیں
کہا - کہ بیمار کے سرہانے دعا لکھونگا -
بڑھیا ایک احاطہ سے ہوتی ہوئی مجھ کو
ایک کمرہ میں لے گئی - بیمار کے گرد اس
قدر جماؤ تھا کہ اگر سوئی بھی پھینکی جاتی
تو وہ بھی زمین تک نہ پہنچتی - بیچارا چیخ
رہا تھا - ارے مرا - ارے لوگو! دم نکلا
اس کے چاروں طرف دوا کے شیشے اور
پیالے کثرت سے رکھے ہوئے تھے - حکیم
شیشہ اور عمل دینے کا آلہ ہاتھ میں لئے
ایک کونہ میں بیٹھا حقّہ پی رہا تھا - اور
کہہ رہا تھا کہ ہماری دوا نے تو بیمار کو
کچھ فایدہ کیا نہیں - دیکھئے درویش کیا
کرتا ہے - جیسے ہی لوگوں کی نگاہ مجھ
پر پڑی - سب جمع ہو گئے - اور میری
طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگے -

میں بھی نہایت ٹھاٹھ کے ساتھ وہاں پہنچا اور قلم دوات طلب کی۔ حالانکہ ساری عمر میں میں نے قلم دوات ہاتھ میں نہ لی تھی۔ لوگ قلمدان لائے۔ اور ایک کاغذ بھی لائے۔ میں نے اس کاغذ پر لکیریں کھینچیں۔ اور خانوں میں من گھڑت نقش بھر دیا۔ پھر وہ کاغذ ایک پیالہ میں گھول کر سب کا سب مریض کو پلا دیا گیا۔ سب لوگ دعا کی تاثیر دیکھنے کے لئے آنکھیں پھاڑے ہوئے اور گردن اُٹھائے ہوئے تھے۔ حکیم نے کہا۔ اگر اس کی عمر باقی ہے۔ تو خدا کے ناموں کی تاثیر اُنہیں کو کافی ہے۔ ورنہ میں کیا۔ بُوعلی سینا بھی اگر قبر سے اُٹھ کر آئے۔ تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

کرشن۔ بُوعلی سینا کون تھا؟

حاجی بابا۔ اس کا نام ابو علی ہے اور باپ کا نام سینا۔ یہ علم طب میں بہت مشہور گزرا ہے۔ آج کل زیادہ تر اسکی

طبی کتابیں اچھی مانی جاتی ہیں - قانون - شفا وغیرہ اس کی مشہور کتابیں ہیں - جن کو لوگ پڑھ کر حکیم بنتے ہیں *

اختر - تو پھر اس دُعا نے کیا اثر کیا ؟

حاجی بابا - بیمار چند منٹ مردہ کی طرح بیہوش پڑا رہا - بعد میں جو حالت ہوئی اس سے سب حیران تھے - اور تو سب کو حیرت ہوئی ہی - ہم اور حکیم بھی متعجّب تھے - کہ یہ ہو کیا رہا ہے - اس کو کئی قیئیں ہوئیں - اور پھر اُس نے آنکھیں کھول دیں - تکیئے سے سر اُٹھایا - لگن مانگی - اور اتنی قے کی کہ اگر بُو علی سینا اپنی کتاب قانون گھول کر پلا دیتا - تو بھی اتنی قے نہ ہوتی - خلاصہ یہ کہ اس کے پیٹ میں کچھ نہ رہا *

درویش نے کہا :-

"مَیں نے دل میں کہا - کہ ہو نہ ہو وہ کاغذ قے والی دوائیوں کا تھا - اور

یہ قے ہونا اسی کی تاثیر ہے - مگر ظاہر
یں کہہ رہا تھا - کہ یہ میری دعا کی تاثیر
ہے - میں سب سے کہہ رہا تھا - کہ یہ
شخص اب تک مر جاتا - اگر میں نہ آتا
دوسری طرف حکیم کہہ رہا تھا - کہ یہ
سب میری دوا کی تاثیر سے ہے - اگر
میری دوا نہ ہوتی - تو یہ شخص بھی نہ
ہوتا" ٭

میں نے کہا - حکیم صاحب! اگر یہ
سب تاثیر تمہاری دوا کی ہے، تو اس سے
پہلے دوائیوں کو کیا ہوا تھا - یہ سارا
انگڑ کھنگڑ یہاں سے اُٹھائیے - اور لوگوں
پر مہربانی کیجیئے ٭

حکیم نے کہا - "درویش بابا! اِس میں
کلام نہیں کہ آپ خوب دعا لکھتے ہیں-
اور اُجرت بھی خوب لیتے ہیں - لیکن یہ
بھی سب لوگ جانتے ہیں کہ درویش ہیں
کیا چیز؟ اگر دعا تاثیر بھی کرے - تو
فقیروں کا اس میں کیا رکھا ہے ٭

مَیں نے کہا۔ تو ہے کون۔ جو اس طرح مجھ سے بیہودہ بک رہا ہے۔ مَیں جناب امیر کا غلام اور اہلبیت کا مدّاح ہوں۔ اور ولیوں کی برکت سے سارے علوم چاٹے پڑا ہوں۔ جہالت حکیموں کی مشہور ہے۔ اگر بیمار اچھا ہو جاتا ہے۔ تو آپ کی دوا سے ہوتا ہے۔ اور اگر مر گیا، تو تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا۔ موت کا کوئی علاج نہیں۔ جا جا۔ جب کوئی مریض مرنے کو ہو، مجھے بلا لینا۔ میرے پاؤں چُومنا۔ مَیں اُس کو اچھا کر دوں گا ؛

حکیم نے کہا۔ خدا کی قسم! مَیں وہ ہوں، کہ تیرا پیر بھی یہ بیہودہ باتیں مجھ سے نہیں کر سکتا۔ تو تو نے ہی کہا۔ گدھا۔ بیوقوف۔ بھیک منگا۔ روزہ نماز کا دشمن۔ تو جانے کیا، دُعا کسے کہتے ہیں اور تعویذ کیا ہوتا ہے ؛

مَیں نے بھی سب مُنکی سُنانا شروع کر

دیں - ہوتے ہوتے گالیوں کی نوبت آ
گئی - اور پھر جوتی پیزار ہونے لگی -
اُس نے میرے بال پکڑ لئے - مَیں نے
اُس کی ڈاڑھی - اُس نے میرا گریبان پھاڑا
اور مَیں نے اس کی آستین - اُس نے
میرا ہاتھ کاٹ کھایا، مَیں نے اُس کا
چہرہ کھسوٹ لیا - برابر دونوں لڑتے رہے
اگرچہ بیمار بہت چیخا - تیمار داروں نے بہت
شور مچایا - لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا - اور
نزدیک تھا کہ درمیان میں کوئی تمام ہو
جائے - آخرکار ایک عورت درمیان میں
آ گئی - کہ لعنت تم پر اور تم دونوں پر
بس چپ رہو - سپاہی دروازہ کھٹکھٹا رہا
ہے - کہ یہ چیخ پکار کیا ہے ؛
اس وقت ہم دونوں ایک دوسرے سے
الگ ہوئے - دیکھا - میری خوش قسمتی سے
لوگ اسی پر الزام رکھ رہے ہیں - اور
مجھ کو حق پر جانتے ہیں - حکیم کو سمجھ
رہے ہیں کہ اُس نے کام تو کیا نہیں،

مزدوری مانگ رہا ہے - اور مجھ کو سمجھ رہے ہیں کہ ئیں کوہ ابوقبیس کو حرکت دے سکتا ہوں +

رونیتم - ابو قبیس کس چیز کا نام ہے ؟

حاجی بابا - یہ مکہ سے قریب ایک پہاڑ ہے +

اختر - پھر حکیم کا کیا نتیجہ ہوا ؟

حاجی بابا - پھر درویش نے کہا :-

جب حکیم نے معاملہ بگڑا ہوا دیکھا - تو چپ ہو گیا - اپنی ٹوپی اٹھائی - اس ارادہ سے کہ چلا جائے - لیکن جانے سے پہلے اپنی ڈاڑھی کے بال اور کچھ میرے سر کے بال اُٹھا کر گولی بنائی - اور مجھے دکھا کر کہا - بڑا بنا ہے - بیوقوف - بناونگا کل امام جمعہ کے آگے یہ بال پیش کرونگا - اور پھر تم کو اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا +

اگرچہ مَیں جانتا تھا - کہ اس کے بعد یہ کسی جہنم میں نہیں جائیگا - لیکن میرا

دل بہت چاہتا تھا کہ میں امام جمعہ کے پاس جاؤں ۔ اور اس طرح میری شہرت ہو ۔ میری شہرت گلی گلی، کوچے کوچے میں ہو گئی ۔ اور صبح سے شام تک لوگ میرے گرد جمع رہنے لگے ۔ میں تعویذ لکھ لکھ کر دیتا تھا ۔ اور خوب پیسے اینٹھتا تھا تھوڑے دنوں میں بڑا مالدار ہو گیا ۔ لیکن بدقسمتی سے سب لوگ درد قولنج والے عطار اور تمام کاغذ قے والی دوائی کے نہ تھے کسی کو بھی تو مجھ سے فائدہ نہ ہوا ۔ مجبوراً طہران سے تمام ایران کے سفر کے ارادہ سے روانہ ہوا ۔ کچھ شہروں میں تو میرے جانے سے پہلے میری شہرت ہو جاتی تھی ۔ کیونکہ عطار کا سرٹیفکیٹ میرے پاس تھا ۔ جس کو دکھا دیتا تھا ۔ وہ مجھ کو نہ معلوم کیا سمجھنے لگتا تھا ۔ اب تک اسی سے زندگی بسر کر رہا ہوں ۔ اگرچہ میری دعاؤں میں کسی قسم کا اثر نہیں ۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے ۔ جب

کسی جگہ اپنا بازار مدھم دیکھتا ہوں۔ اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہونے لگتا ہوں تو چُپکے سے دوسرے مقام کو سرک جاتا ہوں ❊

جب تیسرے درویش کی باری آئی۔ تو اُس نے کہا۔ کہ اگرچہ کہنے والوں کی عادت ہے۔ کہ بات بڑھا کر کہتے ہیں۔ لیکن مَیں اپنے قِصّہ کو مختصر کر کے بیان کرونگا ❊

تیسرے درویش کی داستان

میں ایک مدرسہ کے مُلّا کا بیٹا ہوں۔ جب اُس نے میری یاد اور بات کرنے کی قوت کو دیکھا۔ تو جو قصّے ایران میں بہت مشہور ہیں۔ وہ سب مجھے یاد کرا دِئے میں نے بھی سب کو خوب یاد کر لیا۔ جب میرا سینہ ان باتوں سے بھر گیا۔ اور میں اس قابل ہو گیا، کہ اس سے کام لے سکوں۔ تو درویشی کا لباس پہن کر کام شروع کر دیا ✤

میں نے قِصّہ گوئی اور شعر خوانی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اوّل اوّل تو لوگوں نے نو سکھیا سمجھا۔ لیکن آخر میں سب جاننے لگے۔ کہ میں بڑا تجربہ کار ہوں۔ قِصّہ کے زور کے مقام پہ میں ٹھیر جاتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ حضرات! جن کے دل میں

علیؑ کی محبّت ہے ، وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے ۔ لوگ ہاتھ جیب میں ڈال لیتے تھے ۔ پھر میں کہتا تھا ۔ جو حضرت عباس کے کٹے ہوئے شانوں کو دوست رکھتا ہے ۔ کچھ جیب سے نکالے ۔ لوگ کچھ جیب سے نکال لیتے تھے ۔ آخر میں کہتا تھا جو حرامی نہیں ہے ۔ وہ جیب سے نکالا ہوا میدان میں ڈال دے ۔ بہت کم ایسے ہوتے تھے جو نہ ڈالتے ہوں ٭

کرشن ۔ حضرت عباسؓ کون تھے ؟

حاجی بابا ۔ یہ بھی حضرت علیؓ کے بیٹے تھے ۔ جو حضرت اُمّ البنین کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے ۔ ان کو امام حسینؑ بہت چاہتے تھے ۔ جب وہ کربلا میں یزید کے لشکر کے سامنے مقابلہ کر رہے تھے ۔ تو یہ بھی اُن کے ساتھ تھے ۔ دشمنوں نے تلوار سے اُن کے شانے کاٹ لئے تھے ۔ یہ بڑے جری اور بہادر تھے ۔ اور حضرت علیؓ کی بہت

سی باتیں ان میں موجود نہیں +
اختر۔ تو کیا یہ درویش ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتا تھا۔ پھر اُس نے کیا بیان کیا؟

حاجی بابا۔ اُس نے کہا:۔
میں اسی طرح ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ اور جہاں قِصّہ کا زور ہوتا ہے۔ اس کو میں خوب جانتا تھا۔ اور اچھی طرح واقف تھا کہ لوگ کس فقرے کے پیاسے ہیں۔ بس وہیں پر رک جاتا تھا۔ مثلاً شاہزادہ ختا اور شہزادی ختن کے قِصّہ میں جب یہاں پر پہنچا۔ کہ گھوڑوں کی ہنہناہٹ' بہادروں کی گھما گھمی۔ گھوڑوں کی ٹاپ، پہلوانوں کے نعرے، لشکر کا زور شور، ہتھیاروں کی چھنکار۔ تیروں کی سنسناہٹ کے ساتھ دیو ہزار فن منہ کھولے ہوئے ہے۔ جن کی سینگیں ہزار ہزار گز لمبی تھیں۔ اور اس دیو نے شہزادہ کو منہ میں لے لیا ہے اور زانوؤں کو زمین پر ٹیکے۔ ہاتھوں کو

آسمان کی طرف پھیلائے۔ آنکھوں سے آنسو بہاتی ہوئی۔ خاک سر پر ڈالتی ہوئی کھڑی ہے۔ اس کے نوکر چاکر سب ہتھیار چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ بجلی چمک رہی ہے۔ بھوت غوں غوں کر رہے ہیں"۔ بس یہیں ٹھہر جاتا ہوں۔ اور کہتا ہوں۔ اب کچھ خدا کے نام پر دیجے۔ تاکہ مَیں آگے قصّہ بیان کروں کہ شہزادہ دیو کے منہ سے کیسے چھوٹا۔ اور اُس نے کس طرح گُرز سے اُس کے سر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ داستان سے منہ نہ پھیرنے والے اور قِصّہ کے عاشق ایسے نہیں ہوتے۔ کہ قصّہ سُنے بغیر چل دیں۔ مَیں بھی ایسا اُجڈ نہ تھا، کہ ان کو مفت میں چھوڑ دیتا۔ اسی سبب سے بعض موقعوں پر باقی قِصّہ کو دوسرے دن پر چھوڑ دیتا ہوں۔ اس وقت بھی اسی طرح زندگی بسر کر رہا ہوں، جب کسی شہر میں دلچسپی کم ہو جاتی ہے۔ تو دوسرے شہر کو چلا جاتا ہوں۔

اختر۔ اب کیا بجا ہوگا؟

حاجی بابا۔ اب بارہ بجے ہوں گے +

کرشن۔ اُفوہ! آج بڑی دیر ہو گئی۔ اب اکیلے کیسے جائیں؟

حاجی بابا۔ چلو! ہم پہنچا آئیں +

سب۔ بہت اچھا۔ بڑی مہربانی ہوگی +

حاجی بابا اُٹھے۔ اور تینوں لڑکوں کو ساتھ لے کر ان سب کو ان کے گھروں پر پہنچا آئے +

لڑکے جب گھر پہنچے۔ تو اُن کے ماں باپ اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ دیکھ کر انہیں اطمینان ہو گیا۔ کیونکہ سب جانتے تھے کہ یہ لڑکے حاجی بابا کے پاس قِصّہ سُننے جاتے ہیں۔ اس لئے کچھ نہ کہا +

لڑکوں نے کھانا کھایا۔ اور اپنے اپنے بستروں پر جا کر سو گئے +

حاجی بابا کا یہ سمجھ لینا، کہ دنیا میں ہر شئے کا بدلہ مل جاتا ہے اس لئے دوسرے کام کی فکر کرنا

دوسرے دن لڑکے اپنے وقت پر حاجی بابا کے یہاں آجاتے ہیں۔ اور حاجی بابا قصہ کو یوں شروع کرتے ہیں:۔

میں نے ان درویشوں کی سرگزشت سن کر ان کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اور خیال کیا کہ جہاں تک ہو سکے مکر و فریب کی باتیں اُن سے سیکھوں۔ اور ان ہی میں شامل ہو جاؤں۔ درویش نے مجھ کو قصے۔ جادو۔ دعا لکھنا اور تعویذ گنڈے کرنا اچھی طرح سکھا دیا۔ نقال نے بھی کچھ نقلیں۔ قصے وغیرہ مجھے سکھائے۔ اور

اپنی کتابیں کچھ دنوں کے لئے پڑھنے کو دے دیں۔ تاکہ اُن سے فائدہ اٹھاؤں ❊
لیکن ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے مَیں حقہ پلانا نہ چھوڑتا تھا۔ لیکن اُن نیلے نیلے کپڑے پہننے والے دوستوں کے ہاتھوں جو کچھ "ہائے" کے ذریعہ جمع کرتا تھا۔ "ہو" مَیں گنوا دیتا تھا ❊
اس فقرے کا میں مطلب نہیں سمجھا
ارے بھائی! اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو کچھ میں چیخ پکار کرکے کماتا تھا۔ وہ ہُو حق میں خرچ کر ڈالتا تھا۔ وہ درویش میرا خالص تمباکو مفت اڑایا کرتے تھے۔ مَیں یہ کمی پورا کرنے کے لئے دوسرے گاہکوں کو گوبر گھاس پھوس پلایا کرتا تھا۔ ایک رات ایک بڑھیا نے راستہ میں مجھے روکا۔ جو دوسری عورتوں کے مقابلہ میں بہت کم باتیں کرتی تھی۔ موٹے کپڑوں میں منہ چھپائے ہوئی۔ کھڑی ایسی چادر میں

لپٹی ہوئی تھی کہ مشکل سے اُس کی آواز باہر آتی تھی - اُس نے مجھ سے حقہ پینے کو مانگا - میں نے ملی ہوئی تمباکو اُسے پینے کو دی - جیسے ہی اُس نے حُقہ میں دم لگایا - تھو کر کے بیٹھ گئی - ایکبارگی ۵ - ۶ گنڈے لکڑیاں لیئے وہاں آ پہنچے - اور مجھے ڈنڈوں کے نیچے دھر لیا - بڑھیا نے چادر جو اُلٹی - تو دیکھا، داروغہ صاحب ہیں - مجھ سے کہنے لگے - اے پرانے اصفہانی دجّال! آخر آج پھنس گئے *

کرشن - دجّال کے کیا معنی؟

حاجی بابا - مُسلمانوں کا خیال ہے - کہ قیامت کے قریب اصفہان کے کنوئیں سے ایک شخص نکلے گا - جس کے ماتھے پر ایک آنکھ ہوگی - اور وہ تمام دُنیا کو بہکاتا پھریگا - امام مہدی کے ساتھ حضرت عیسیٰ آئیں گے - تو وہ اُس کو قتل کریں گے *

اختر - ہاں، پھر داروغہ نے کیا کہا؟

حاجی بابا ۔ داروغہ نے کہا ۔
حرام زادے ! تو اصفہان والوں کو زہر پلانا ہے ۔ اب جتنی شاہیاں جمع کی ہیں ۔ اتنے ہی ڈنڈے کھا ۔ تاکہ تیری پسلیاں تو نرم ہو جائیں ۔ کوئی ہے ؟ بید اور ٹکٹکی لا کر اس حرامزادے کو ٹھیک کر دے ۔

فوراً میرے پاؤں ٹکٹکی میں باندھ دِئے گئے ۔ اور بیدوں کا مینہ سر پر برسنے لگا میں نے بہت قسمیں دیں ۔ لیکن اس نے ایک بھی نہ سُنی ۔ جو لوگ وہاں موجود تھے اُن سے میں نے بہت رحم کی درخواست کی ۔ لیکن اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا اپنے ساتھی فقیروں سے مدد چاہی ۔ لیکن اُنہوں نے تو ہونٹ بھی نہ ہلائے ۔ آخر لکڑیاں کھاتے کھاتے میں بیہوش ہو گیا ۔

جب ہوش میں آیا ۔ تو میں نے دیکھا کہ میرا سر دیوار سے لگا ہوا ہے ۔ اور میرے گرد لوگ جمع ہیں ۔ یہ لوگ مجھ پر ترس کھا کر نہ آئے تھے ۔ بلکہ تماشا دیکھنے

آخر ان لوگوں نے حقّہ - تھیلا اور میرا تمام اسباب لوٹ لیا - اور مجھ کو چلتا کیا - اور اجازت دیدی - کہ میں جہاں چاہوں، چلا جاؤں - خدا نے رحم کیا کہ منزل قریب تھی - اپنے کو کھینچتا ہوا، اور زمین پر گھسٹتا ہوا روتا پیٹتا منزل پر پہنچ گیا +

پیروں میں زخم - دل میں درد، لیکن چل پڑا - دوسرے روز ایک درویش میری مزاج پُرسی کے لئے آیا - اور مجھ سے عذر کیا، کہ اگر میں پہلے آتا - تو لوگ خیال کرتے کہ میں بھی تیرا ساتھی ہوں - اور تیری سی میری بھی گت بناتے - کیونکہ میری حالت بھی ایک زمانہ میں تیری سی ہو گئی تھی - جس سے مجھے اس کا تجربہ ہو چکا ہے - اُس نے میرا علاج کیا - جب اچھا ہو گیا تو وہاں سے روانہ ہوا +

بیماری کی حالت میں مَیں نے سوچا - میری سمجھ میں ایسا آیا کہ مَیں مشہد میں بُری گھڑی داخل ہوا تھا - میں کیا جانوں

کہ قمر کس برج میں ہے - پہلے کمر ٹوٹی، پھر ڈنڈے پڑے - اگر اب بھی اسی حالت میں رہا - تو نہ معلوم کیا حال ہو - مار ڈالا جاؤں - کس حالت پر پہنچوں - بہتر یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے - اس اجاڑ مقام سے بھاگ جاؤں - پھر طہرآن کا ارادہ کیا - اور اپنی نیّت درویشوں پر ظاہر کی - ان لوگوں نے بھی پسند کیا - اس کے علاوہ درویش سفر ہمارے ساتھ چلنے پر تیار تھا - کہنے لگا - یہاں کے عالم اب مجھے بُرا سمجھنے لگے ہیں - اور تکلیف پہنچانے کی تدبیریں کر رہے ہیں - ملّاؤں سے میل جول رکھنا میاں ریچھ ہی کا کام ہے - مَیں اُن سے کس طرح نپٹ سکتا ہوں *

مَیں نے ارادہ کر لیا - کہ اب فقیروں کی گدڑی پہنوں اور بھیک کا پیالہ ہاتھ میں لوں - آخر یہ سب چیزیں، ٹوپی اور مرگ چھالا مَیں نے بازار جا کر خریدا اور پہن لیا - اس طرح فقیر کے ساتھ چلنے پر تیار

ہو گیا۔ ہم دونوں سفر کے اتنے عاشق تھے۔ کہ بے ساتھی کے چلنے پر تیار ہو گئے۔ لیکن پیش بینی کر کے شیخ سعدی کے کلیات سے فال نکالی۔ درویش سفر نے پہلے وضو کیا۔ پھر حضرت امام جعفر صادق کی دعائے فال پڑھی۔ پھر شیخ کا کلیات کھولا۔

وِلیم۔ کلیات کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ جس کتاب میں شاعر کا پورا کلام جمع کیا گیا ہو۔

کرشن۔ اچھا، امام جعفر صادق کون تھے؟

حاجی بابا۔ میں نے تم سے پہلے بیان کیا ہے کہ شیعہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ یہ چھٹے امام ہیں۔ ان کے باپ کا نام امام محمدّ باقر تھا۔ امام جعفر صادق نے شیعوں کے لئے بہت بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ تفسیر قرآن لکھی ہے۔ اور بہت سے مذہبی معلومات بہم پہنچائے ہیں۔ دوسرے مذہب والے بھی ان کی

بہت قدر کرتے تھے - ان کی علمیت اُس
زمانہ میں مانی ہوئی تھی +
اختر - ہاں ، تو پھر فال میں کیا نکلا ؟
حاجی بابا - فال میں یہ عبارت نکلی - کہ
"خلاف رائے خردمندان است بہ امید
تریاق زہر خوردن و راہ نادیدہ بے کارواں
رفتن "
کرشن - اس کے کیا معنی ہوئے ؟
حاجی بابا - اس کے یہ معنی ہیں کہ " تریاق
کی اُمید میں زہر کھا لینا اور نہ دیکھی
ہوئی راہ بے کاروان کے جانا عقلمندوں
کی رائے کے خلاف ہے " یعنی عقلمند
کہتے ہیں - کہ ایسا نہ کرنا چاہیئے +
اختر - تو جب یہ فال نکلی ، تو پھر آپ
نے کیا کیا ؟
حاجی بابا - ہم نے اکیلے جانے کا ارادہ
چھوڑ دیا - اور کاروان کو ڈھونڈنے لگے
اتفاق سے علی خچّر والے سے مڈبھیڑ ہو گئی
جو حال ہی میں مشہد آیا تھا - اور بخارا

کی کھال طہران لاد کر لے جانا چاہتا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور حقہ بھر کر مجھے دیا۔ اور میرا حال پوچھنے لگا۔ مَیں نے سارا حال اس سے بیان کر دیا۔ اس نے بھی اپنا سارا حال بیان کیا اور کہا کہ میں پہلے بخارا کی کھال لیکر مشہد سے اصفہان گیا۔ ابھی اصفہان میں ترکمانوں کے چھاپہ کا ذکر لوگوں کی زبان پر ہے۔ کہتے تھے کہ لوٹ مار کرنیوالے ہزار سوار سے کم نہ تھے۔ اور اصفہان والوں نے بڑی جوانمردی سے ان کا مقابلہ کیا۔ بیچارا کربلائی حسن حجام زخمی ہو گیا بعد میں بڑی مشکلوں سے ان لوگوں کے ہاتھوں سے چھوٹا ہے ✦

کیونکہ میں اپنے باپ کے واقعہ کو سب سے چھپانا چاہتا تھا۔ اس لئے مَیں نے نہ چاہا۔ کہ علی خچّر والے پر یہ ظاہر کر دوں۔ لیکن یہ سُن کر مَیں نے بہت زور سے حقہ کا گھونٹ لیا۔ جس سے بہت سا دھواں

میرے منہ میں بھر گیا۔ میں نے اتنی زور سے اس کے منہ پر وہ دھواں چھوڑ دیا کہ اس کی داڑھی دھواں دھار ہو گئی۔ اس سے میرے دل کی آگ کچھ کم ہوئی ✦

علی خچر والے نے آخر میں کہا۔ کہ میں اصفہان سے رنگین سوتی کپڑا۔ تمباکو، تانبے پیتل کی چادریں اور چاول نیرو لے جاؤنگا۔ اور وہاں سے نیرو کا مال لیکر مشہد چلا جاؤنگا۔ پھر جیسا کہ میں نے کہا تھا میں طہران چلا جاؤنگا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ میں تم کو طہران پہنچا دونگا راستہ میں جب تم تھک جاؤ۔ تو میرے خچر پر سوار ہو لینا۔ یہاں تک داستان ہو چکی تھی کہ اختر نے کہا ✦

اختر۔ اچھا آج اتنا ہی رہنے دیجیئے۔ کل بہت دیر ہو گئی تھی ✦

حاجی بابا۔ اچھا جاؤ خدا حافظ ✦

تینوں لڑکے حاجی بابا کو سلام کر کے رخصت ہوئے ✦

ختم شد حصہ دوم

فرہنگ

حاجی بابا

حصہ دوم

ا

آنکھیں کھولنا :- ہوشیار ہونا

آنکھوں پر بٹھانا :- تعظیم کرنا +

اہلبیت :- رسول خداؐ کے عزیز

انگڑ کھنگڑ :- بوریا بدھنا +

ب

بھان متی :- مداری - شعبدہ باز

بے اعتقادی :- یقین نہ کرنا +

پ

پنپنا :- بڑھنا - سرسبز ہونا +

پیش بینی :- آیندہ کی باتوں پر نظر کرنا +

ت

ترجمان :- ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے والا +

تکیہ :- وہ مقام جہاں فقیر رہتے ہیں +

تیز قدم :- جلد چلنے والا +

حصّۂ سوم

حاجی بابا کا مشہد سے نکلنا اور اس کی داستان گوئی

دوسرے روز یہ تینوں لڑکے حاجی بابا کے یہاں آئے۔ اور یوں داستان شروع ہوئی۔ حاجی بابا نے کہا:۔کہ
شہر سے نکلتے وقت دروازہ کے پاس میں جھنجلا کر کہنے لگا۔ جا اے مشہد۔ اے کوفہ ثانی۔ خدا کرے۔ تو لوط کے شہر کی طرح تو تباہ ہو جائے +
ولیم۔ کوفہ ثانی سے کیا مطلب ہے؟

ج

جوتیاں چٹخانا :- بُرے حالوں پھرنا +

جوق جوق :- لگاتار - بہت بہت سے ہو کر +

چ

چرخ :- ایک شکاری پرندے کا نام +

چھاگل :- چھوٹی سی مشک +

ح

حدیث :- رسول کا قول +

د

داؤں چل جانا :- تدبیر چل جانا +

ر

رمال :- علم رمل کا جاننے والا +

س

سرچشمہ :- جس جگہ سے دریا نکلتے ہیں +

سقائی :- پانی بھرنے کا کام

سیہی :- ایک جانور کا نام ہے جس کے تمام جسم پر کانٹے ہوتے ہیں

ط

طرہ :- زیادتی +

ق

قوطی :- ڈبہ

قلعی کھول دینا :- کسی کے راز کو ظاہر کر دینا +

ک

کرتب :- کام +

کھتہ :- پانی کا خزانہ +

کان نہ دھرنا :- نصیحت نہ سُننا +

کگڑ والا :- وہ شخص جو بازار میں حقہ لئے لئے پھرتا ہے +

کردھنی :- وہ ناڑا جو ناف پر باندھتے ہیں +

م

معطر :- خوشبودار +

مرگ چھالا :- ہرن کی کھال +

مشکیں کس دینا :- ہاتھ پیچھ کی طرف باندھ دینا +

مدّاح :- تعریف کرنیوالا +

مائل :- رغبت کرنے والا +

تمام شد

فرہنگ حاجی بابا

حصہ دوم

حاجی بابا۔ عراق میں ایک مقام ہے کوفہ۔ یہاں کے لوگ بے وفا ہوتے ہیں۔ اور لالچی بھی کوفہ ہی کے لوگوں نے امام حسین کو خط لکھ کر بلایا تھا۔ اور مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن بعد میں اُنھوں نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔ وہ لوگ ان سے جدا ہو گئے۔ اور اس طرح وہ شہید ہو گئے۔ اسی طرح حضرت علی بھی یہیں کی مسجد میں قتل کئے گئے۔ اس لئے کوفہ اور کوفہ والوں کی طرف سے شیعوں کا خیال اچھا نہیں ہے۔ چونکہ مجھے مشہد میں تکلیفیں بہت اُٹھانا پڑیں۔ اس لئے مشہد کو دوسرا کوفہ کہا۔

کرشن۔ لوط کس کو کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ یہ ایک پیغمبر کا نام ہے۔ اُنھوں نے اپنی قوم کو اچھے راستہ پر لانا چاہا۔ لیکن اُنھوں نے ان کا کہنا نہ مانا۔ اور بیہودگیاں کرتے رہے۔ اس پر حضرت لوط نے ان کے لئے بد دعا کی اور نہایت زور کی ہوا چلی جس سے ان کا شہر الٹ گیا۔ اور وہ تباہ

ہو گئے +

اختر۔ ہاں پھر۔ پھر آپ نے کیا کیا؟

حاجی بابا۔ مَیں مشہد کو بُرا کہہ رہا تھا۔ لیکن اِدھر اُدھر دیکھتا جاتا تھا۔ کہ کوئی مذہبی آدمی سُن لے۔ اور مجھ کو یہ سمجھ کر کہ مَیں مشہد کی بے ادبی کر رہا ہوں۔ مجھے سنگسار کرے +

کرشن۔ سنگسار کرنا کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ اس کے معنی ہیں۔ پتھر مار مار کے ہلاک کر دینا +

اختر۔ ہاں آگے بیان فرمایئے؟

حاجی بابا۔ ہم جو بُرا بھلا مشہد کو کہہ رہے تھے۔ اس میں درویش سفر میرا ساتھ دے رہا تھا۔ مَیں ڈنڈے روڑ پگل کے درد سے اور وہ وہاں کی بدمعاشی اور شرارت کی وجہ سے مشہد اور مشہد والوں کو بد دعائیں دے رہے تھے۔ وہ کہتا تھا کہ رفیق! تم ابھی ناتجربہ کار جوان ہو۔ ابھی کچھ دیکھو گے جب کہیں تجربہ ہو گا۔ یہ کوئی ایسا صدمہ نہ تھا۔

کہ جس کا گلہ کیا جائے۔ انشاء اللہ ایسے
صدمے بہت سے اُٹھاؤ گے۔ لیکن ذرا
آنکھیں کھولو دنیا کا تجربہ حاصل کرو۔ مثلاً
اس صدمہ سے تم کو یہ سیکھنا چاہئیے۔ کہ بڑھیا
کے بھیس میں داروغہ بھی ہوسکتا ہے۔ (اپنی
ڈاڑھی پکڑ کر) کہا کہ مجھ جیسے سن وسال کے
آدمی کو سفر کرنا بہت دشوار ہے +

مَیں نے کہا۔ یار! تم اگر مشہد میں رہنا چاہتے
تو یہ تمہارے اختیار میں تھا۔ اگر تم برابر
نماز روزہ کرتے رہتے اور زبان کو فضول
باتوں سے روکتے رہتے۔ تو پھر تجھ سے کوئی
کچھ کہتا بھی نہیں +

اس نے کہا۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ
بھی تم دیکھتے ہو۔ کہ رمضان کا مہینہ آگیا
ہے۔ اور ملا لوگ اس مہینہ میں بورہا جاتے
ہیں۔ مَیں روزہ اوزہ تو جانتا نہیں۔ اور خدا
نہ کرے مَیں روزہ رکھوں۔ حُقّہ میری زندگی کا
سہارا اور شراب خوشی کا باعث ہے۔ ان دونو
کے بغیر مَیں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر مَیں چاہتا

کہ پہلے کی طرح چھپ کر روزہ ہی کھا جایا کروں۔ تو یہ ہو سکتا تھا۔ لیکن ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے میری ولایت کے لئے یہ بات بھونڈی تھی۔ اور پھر جب کہ میں ولی مشہور ہوں۔ لیکن سفر میں اس آیتہ کے بہانہ سے کہ "فعدۃ من ایام آخر" خالص نیّت کے ساتھ روزہ کھا سکتا ہوں۔ اور اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتا +

کرشن۔ اس آیت کے کیا معنی ہیں؟

حاجی بابا۔ قرآن مجید میں مسافر کے روزہ رکھنے کے بارہ میں کہا گیا ہے۔ کہ سفر میں روزہ چھوڑ دے۔ اور پھر اُن روزوں کو پورا کرے +

اختر۔ تو پھر کیا ہوا؟

حاجی بابا۔ سمنان تک ہم بے کھٹکے پہنچ گئے۔ اور کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ جس کے بیان کرنے کی ضرورت ہو۔ لیکن ایک دن سمنان پہنچنے سے پہلے جب ہم علی خچر والے کے ساتھ جا رہے تھے۔ تو کمر میں اس جگہ ایک تڑاق کی آواز ہوئی۔ جہاں سنگہ نے ہڈّی توڑ ڈالی

تھی۔ اس سے درد بہت ہونے لگا۔ اور اس کے اچھّا ہونے تک میں کاروان سے الگ رہا۔ کیوں کہ ترکمانوں کا تو ڈر تھا۔ مَیں ٹھیر جانے میں کوئی خطرہ نہ دیکھا۔ لیکن درویش سفر اس خیال سے کہ رمضان کے مزوں سے باز رہیگا۔ اس نے سمنان میں رہنا گوارا نہ کیا +

شہر کے نزدیک ایک مقبرہ میں مَیں نے اپنا مرگ چھالا بچھایا۔ اور فقیروں کی طرح نرسنگھا بجا بجا کر یا ہو یا من ہو یا مَن لیس۔ اللہ ہو اور ناد علیا مظہر العجائب پڑھتا رہا +

کرشن۔ یہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا؟

حاجی بابا۔ یہ فقیروں کی صدائیں ہیں۔ یا حق اے وہ جو تو ہے۔ اے وہ جس کے سوا کوئی نہیں +

کرشن۔ ناد علیاً مظہر العجائب کیا ہے؟

حاجی بابا۔ یہ ایک دعا ہے۔ جس کو ڈر کے وقت پڑھتے ہیں۔ مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جنگ خیبر کے دن جب عبدوُد پہلوان کے

مقابلہ میں رسول خدا کی فوج سے کوئی نہ نکلا۔ تو رسول اللہ کا حکم ہؤا کہ علی کو پکارو جن سے عجیب عجیب چیزیں ظاہر ہوتی ہیں۔ علیؓ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ اور وہ وہاں پر موجود نہ تھے۔ مسلمان کہتے ہیں۔ کہ جب ناد علی پڑھا گیا۔ تو علیؓ آ گئے۔ اور جنگ میں فتح مند ہوئے۔

اختر۔ آپ ایسا کیوں کرنے لگے؟

حاجی بابا۔ یہ اس وجہ سے کرتا تھا۔ کہ لوگ میرے آنے کو جان جائیں۔ میں نے قلندروں کی سی عجیب و غریب صورت بنا رکھی تھی۔ اور یہ خیال تھا۔ کہ جادو اور فریب کی باتیں جو میں نے سیکھی ہیں۔ وہ خوب کام آئینگی۔ لیکن دو تین عورتوں کے سوا کوئی میرے پاس گنڈے تعویذ کرانے نہ آیا۔ اور ان لوگوں نے دیا بھی کیا۔ چھاچھ۔ شہد یا میوہ۔ کمر کے درد نے چارپائی سے لگا دیا تھا۔ حکیم کو ڈھونڈھنے لگا۔ سنا گیا کہ سمنان میں آکر کسی پر حکیم کا گمان ہوسکتا ہے۔ تو وہ دو شخص ہیں۔ ایک حجام

دوسرا نعلبند۔ حجام تو فصد کھولنے دانت اکھاڑنے اور ٹوٹی ہوئی ہڈّی جوڑنے میں مشہور تھا۔ اور نعلبند چوپایوں کا علاج کرتا تھا۔ اور انسان کی دوا کرنے میں بھی کچھ دخل رکھتا تھا۔ ایک بڑھیا اَور تھی۔ اگر کسی کو ان دونوں سے فائدہ نہ ہوتا تھا۔ تو وہ اُس کے پاس جاتا تھا۔ اور اُس کی باتوں کو بنی اسرائیل کے نبیوں کے معجزے سمجھتا تھا۔ یہ تینوں میرا علاج کرنے کے لئے آئے۔ اور ہر ایک نے کہا۔ کہ یہ درد سردی سے ہے۔ اور کیونکہ گرمی سردی کی ضد ہے۔ اس لئے اس کا علاج داغ دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ نعلبند کو جراح بنایا گیا۔ کیونکہ وہ لوہے کو اچھی طرح جانتا تھا۔ نعلبند کوئلوں کا تھیلا اور دھونکنی اور سیخیں لے آیا۔ اور مقبرہ کے ایک کونہ میں بیٹھ کر سیخوں کو گرم کرنے لگا۔ اس کے بعد مجھے اوندھا لٹایا۔ اور میری کمر پر چودہ معصوم کے نام چودہ دئے۔ جس وقت اس نے گرم سیخ میری پیٹھ پر چپکائی۔ تو مَیں بہت زور سے چیخ اٹھا۔ لوگوں نے میرا منہ دبا دیا۔ اور کہا کہ آواز بالکل نہ نکلے ورنہ خاصیّت جاتی

رہیگی - خلاصہ یہ کہ میں اکیلا اس زمین پر پڑا رہا - اور اس ڈر سے کہ کوئی تیمار داری کرنے والا تو ہے نہیں - میں نے پاؤں باہر نہیں نکالا - بہت دنوں کے بعد وہ داغ اچھے ہوئے - سب کا یہ اعتقاد تھا - کہ میری صحت چودہ معصوم کے ناموں سے ہوئی ہے ٭

کرشن - چودہ معصوم کون ہے ؟

حاجی بابا - شیعوں کے خیال سے بارہ امام اور رسول خدا اور فاطمۃ الزہرا جو رسول اللہ کی بیٹی تھیں - یہ سب بے گناہ تھے - انہیں کو چودہ معصوم کہتے ہیں ٭

اختر - اچّھا تو پھر ؟

حاجی بابا - کسی کو اس میں شک بھی نہ رہا - کہ سرخ لوہا بھی ایک معجزہ کا آلہ ہے - لیکن میں خود اچّھا جانتا تھا - کہ میرے درد کا حکیم میرا کونہ میں پڑا رہنا تھا - لیکن ڈر کی وجہ سے منہ سے آواز نہ نکالتا تھا - کہ کہیں اس کی خاصیّت نہ جاتی رہے - اس کے بعد پھر روانہ ہوا - لیکن چلنے سے پہلے میں نے چاہا

کہ کچھ اپنے ہنر دکھاتا جاؤں۔ داستان گوئی
کا سامان کیا۔ بازار کے دروازہ کے پاس راہ
کے درمیان ایک چھوٹے سے میدان میں
شال اور رومال بچھا کر اور بگل بجا کر
قصّہ گوئی کی دوکان لگا ہی دی۔ کچھ لوگ
گردن اُٹھائے۔ آنکھیں پھاڑے۔ منہ کھولے
ہوئے آ کر میرے گرد کھڑے ہو گئے۔
مَیں بیچ میں چلتا ہُوا۔ ہاتھ میں چھڑی
پکڑے ہوئے ایک حکایت اس طرح بیان کرنے
لگا۔ جو مَیں نے حجامی کے زمانہ میں سیکھی
تھی۔ (قصّہ) کہتے ہیں کہ ہارون رشید کی
خلافت کے زمانہ میں بغداد میں ایک حجام تھا۔
اس کا نام علی حتصال تھا۔ اپنے فن کا بڑا
استاد تھا۔ آنکھ بند کر کے سر مونڈ دیتا تھا۔
اور خشخشی ڈاڑھی بنانے میں کمال رکھتا تھا۔
کوئی ایسا نہ تھا۔ جس کا اس نے سر نہ
مونڈا ہو۔ گاہکوں کی زبادتی سے اس کو ایسا
غرور ہو گیا تھا۔ کہ سوائے بڑے لوگوں کے
کسی طرف توجہ ہی نہ کرتا تھا۔ اور بجز مشہور

آدمیوں اور پیسے خرچ کرنے والوں کے کسی کا سر نہ مونڈتا تھا۔ لکڑی بغداد میں مہنگی ملتی ہے۔ لکڑہارے علی حتصال کی دوکان پر آتے تھے۔ تاکہ لکڑیاں زیادہ قیمت میں بک جائیں۔ اتفاق سے ایک روز ایک انجان لکڑہارا علی حتصال کی چالاکی سے بے خبر گدھے پر لکڑیاں لادے ہوئے کہیں دور سے آ گیا۔ اور علی حتصال سے کہنے لگا۔ کہ کیا لکڑیاں لوگے۔ علی حتصال نے کہا۔ ہاں ہاں اتنے پیسے دونگا۔ اور جتنی لکڑیاں تیرے گدھے پر ہیں۔ وہ سب لے لونگا+

لکڑہارے نے قبول کر لیا۔ اور سودا ہو گیا۔ جب اُس نے گدھے کا بوجھ اُتارا اور دام مانگے۔ تو علی حتصال نے کہا؟

تو نے سب لکڑیاں تو دیں نہیں۔ دام کیسے مانگتا ہے۔ گدھے کا پالان بھی تو لکڑی ہے۔ وہ بھی سودے میں داخل ہے۔ جب وہ دیگا تو دام دئے جائینگے+

بیچارہ لکڑہارا پریشان ہو گیا کہ کہاں گدھے کا

پالان اور کہاں لکڑی۔ بات زیادہ بڑھ گئی۔ جھگڑا ہونے لگا۔ آخر کار علی حنصال نے گدھے کا بوجھ اور اس کا پالان لے لیا۔ اور لکڑہارے کو ہاتھ خالی روانہ کر دیا کہ جہاں جی چاہے چلا جائے ٭

لکڑہارا قاضی کے پاس دوڑتا ہوا گیا۔ قاضی علی حنصال سے ڈرتا تھا۔ وہ سامنے نہ آیا۔ مفتی کے پاس پہنچا۔ مفتی اس کا گاہک تھا۔ شیخ الاسلام کے پاس پہنچا۔ شیخ الاسلام نے جواب دیا۔ کہ قرآن اور حدیث میں اس کے لئے کوئی صاف صاف حکم نہیں ہے کہ ٹھیک فیصلہ کیا جا سکے ٭

لکڑہارا اپنے خیال سے نہ ہٹا۔ ایک عرضی لکھ کر جمعہ کے روز مسجد جاتے وقت خود خلیفہ کے ہاتھ میں دی۔ تم نے خلیفہ کے انصاف کا حال تو سنا ہی ہے۔ فوراً اس نے علی حنصال کو اپنے پاس بلا لیا۔ لکڑہارا کھڑا ہوا بڑے ادب سے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنے میں خلیفہ نے کہا۔ اَے شخص لفظ تو حق علی حنصال

کا ثابت کرتے ہیں۔ اور در اصل تو حق تیرا ہے۔ لیکن کیونکہ شریعت کے حکم لفظ پر ہوتے ہیں۔ اس لئے مجبوری ہے۔ کیونکہ سودا ہوُا تھا۔ کہ سب لکڑیاں جو کچھ گدھے پر ہیں۔ وہ خریدنے والے کی ہیں۔ اس لئے گدھے کا پالان بھی جو لکڑی کا ہے۔ علی حنصال کا ہے۔ ان باتوں کے بعد خلیفہ نے لکڑہارے کو اپنے پاس بلایا۔ اور اس کے کان میں چپکے سے کچھ کہہ دیا۔ اور لکڑہارے کو خوشی خوشی بے پالان کے روانہ کر دیا۔

جب مَیں اس جگہ پہنچا۔ تو کہتے کہتے رُک گیا۔ اور اپنے پیالہ کو ہر ایک کے سامنے لے گیا۔ کہ اب کچھ خدا کے نام پر دے دیجئے۔ پھر باقی قصّہ بیان کروں۔

کیونکہ سننے والے باقی قصّہ کے لئے بیچین تھے۔ مَیں نے قسمیں دے دے کر اتنا کر لیا کہ شاید ہی کوئی بچا ہوگا۔ کہ جس نے کوئی چیز نہ دی ہو۔ پھر مَیں نے کہا۔ خلیفہ نے کچھ لکڑہارے کے کان میں کہا۔ اور اس نے زمین خدمت کو چوما

بےلگام بے پالان کے لے لی اور چلدیا۔ کچھ دنوں بعد وہ اس طرح جیسے حجام سے کسی قسم کی کبھی رنجش ہو۔ علی حنتصال کی دوکان پر آیا۔ اور کہا استاد۔ ہم اور ایک ہمارا ساتھی چاہتا ہے۔ کہ تم سے سر مونڈا کر تمہاری ہاتھ کی صفائی اور استادی دیکھئے۔ ہم دونوں ہی کے سر کو کتنے میں مونڈو گے۔ علی حنتصال نے بے سمجھے پوچھے مزدوری ٹھرا لی۔ جب لکڑ ہارے کو مونڈ چکا تو اس نے پوچھا کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے۔ لکڑ ہارے نے کہا یہیں ہے۔ لاتا ہوں۔ وہ دوکان سے باہر آیا۔ گدھا جو وہیں بندھا ہوا تھا۔ کھول کر دوکان میں لایا۔ اور کہا کہ یہ میرا ساتھی ہے۔ اس کے سر کو مونڈ دو۔

علی حنتصال بپھر گیا۔ کہ تجھ جیسے کا سر مونڈنا کیا کچھ کم تھا۔ کہ اب تیرے گدھے کا بھی سر مونڈوں۔ مردک تو مجھ سے مذاق کرتا ہے۔ چل دور ہو۔ ابھی گدھے کے ساتھ جہنم بھیجدونگا۔ یہ کہا اور لکڑہارے کو دوکان سے نکال دیا۔

لکڑہارے نے خلیفہ سے جاکر شکایت کی۔

خلیفہ نے سپاہی بھیجا۔ کہ علی حتصال سر مونڈنے کے سامان کے ساتھ فوراً حاضر کیا جائے۔ جب وہ سامنے آیا تو خلیفہ نے اس سے کہا کہ اس کے ساتھی کا سر کیوں نہیں مونڈتا کیا دو سروں کے مونڈنے کا تجھے وعدہ نہیں ہؤا ہے +

علی حتصال نے زمین خدمت چومی اور کہا۔ یا امیرالمومنین یہ تو درست ہے۔ لیکن اب تک یہ مَیں نے کبھی نہیں سنا۔ کہ انسان کا ساتھی گدھا ہو۔ اور پھر مَیں مسلمان ہوں اس لئے سمجھ ہی میں نہیں آسکتا تھا۔ کہ انسان کا ساتھی گدھا ہو سکتا ہے +

خلیفہ بہت ہنسا اور کہا ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن جس طرح پالان لکڑیوں میں شامل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح انسان کا ساتھی گدھا بھی ہو سکتا ہے۔ اس حیثیت کہ وہ سر ہے اقرار میں آسکتا ہے۔ اگرچہ وہ سر گدھے ہی کا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس کا مطلب ساتھی کے سر سے اپنے گدھے کے سر سے تھا۔ اس لئے تجھ کو گدھے کا سر

مونڈنا چاہیئے۔ ورنہ سزا دی جائیگی۔ پھر تو علی حنصال نے گدھے کے سر میں بہت سا صابون لگا کر خلیفہ کے سامنے اس کو مونڈا۔ لوگ اس کے گرد کھڑے ہوئے مذاق اڑا رہے اور ہنس رہے تھے۔ آخر کار علی حنصال نے گدھے کا سر مونڈ دیا۔ اور خلیفہ نے لکڑہارے کو انعام دے کر خوش خوش واپس کر دیا۔ اس انصاف کا شہرہ سارے شہر بھر میں ہو گیا۔ اور ہر شخص خلیفہ کی تعریف کر رہا تھا۔ اس کے بعد حاجی بابا نے قصّہ کو ختم کیا۔ اور لڑکے اُٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے +

حاجی بابا کا ایک ڈاک والے سے ملنا۔ اور اس کا نتیجہ

دوسرے روز جب یہ تینوں لڑکے حاجی بابا کے یہاں پہنچے۔ تو حاجی بابا نے یوں قصہ شروع کیا:۔

سمنان سے ہنسی خوشی باہر آئے۔ کمر کا درد

جاتا رہا تھا۔ جوانی اور خوبصورتی باقی تھی۔ بیس تومان مشہد والے جمع تھے۔ ہنر ہاتھ میں تھے۔ مَیں نے یہ ارادہ کیا۔ کہ جب طہران پہنچوں تو درویشی کے کپڑے اُتار ڈالوں۔ اور عمدہ لباس پہن کر کسی اچھّے کام میں لگ جاؤں۔

طہران سے ایک منزل دور زور زور سے مَیں لیلیٰ مجنوں کی مثنوی پڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ناگاہ ایک ڈاک والا پیچھے سے پہنچا۔ ہم دونوں میں باتوں کا دروازہ کھل گیا۔ پھر یہ طے پایا کہ کھانا کھا کر کچھ دیر سو رہیں۔ چونکہ ہوا گرم تھی۔ مَیں نے اس کو غنیمت جانا۔ ایک کھیت کے کنارے پانی کے پاس بیٹھ گئے۔ اس کے گھوڑے کو کھیت میں چھوڑ دیا۔ پھر زین کے تھیلے سے وہی شلوار کی ایک جیب سے ایک رومال نکالا۔ جس میں چلاؤ اور دو تین روٹیاں تھیں۔ اور دوسری جیب سے سلیپر۔ پانی پینے کا کٹورا۔ تمباکو کی تھیلی۔ چند اَور چیزیں اور پیاز کی پانچ چھ گٹھیاں نکالیں۔ اور خوب اچھی طرح یہ سب کھا کر ایک دوسرے کی حالت

سننے بیٹھ گئے۔ میری حالت تو ظاہر تھی۔ میری داستاں بہت بڑی نہ تھی۔ لیکن اس کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ وہ استرآباد کے حاکم کا ڈاک والا ہے۔ اور یہ بات سُن کر مجھے خوشی ہوئی کہ ملک الشعرا ترکمانوں سے چھوٹ گیا ہے۔ اور یہ اس کی خبر لئے جا رہا ہے۔ مَیں نے اپنی خوشی کو اس پر ظاہر نہ کیا۔ کیونکہ ایک تجربہ میرا یہ بھی تھا۔ کہ کسی سے دل کے بھید کو نہ کہنا چاہیئے۔ اس وجہ سے مَیں نے ایسا ظاہر کیا۔ جیسے کہ میں جانتا ہی نہیں کہ اس نام کا بھی کوئی آدمی دنیا میں ہوسکتا ہے یا نہیں ٭

ڈاک والے نے کہا کہ ملک الشعرا سلامتی کے ساتھ استرآباد پہنچ گیا ہے۔ اس کی حالت ٹھیک نہ تھی۔ اس لئے اس کی خبر اس کے خاندان والوں کے پاس لئے جا رہا ہوں۔ تاکہ وہ لوگ اس کے لئے ضروری چیزیں بھیجیں۔ پھر بغل سے ایک کاغذ نکالا۔ کیونکہ وہ اَن پڑھ تھا۔ اس لئے اس نے مجھ سے دیا

اور پوچھا کہ اس میں کیا لکھا ہے ٭
پہلا کاغذ بادشاہ کے نام ایک عرضی تھی۔ جس میں قید کی حالت اس طرح لکھی ہوئی تھی۔

عالیجاہا۔ اگر میں اپنی تکلیفوں کا اُن مہربانیوں سے مقابلہ کروں جو اتنی مُدّت تک میں محروم رہا اور حضور کے دیکھنے کے لئے ترستا رہا۔ تو در اصل وہ تکلیف کوئی تکلیف نہیں۔ جس طرح سے ایک ذرا سے کیڑے کو بھی آفتاب کی روشنی میں آنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح مَیں بھی حضور کی رعیّت میں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں۔ بڑی بات نہیں کہ بادشاہی نور سے روشنی حاصل کرنے کی اجازت دیجائے۔ مجھے نہایت ادب سے امید ہے۔ کہ میری اتنے دنوں کی غیر حاضری حضور کی پابوسی سے ہرگز باز نہ رکھے گی۔ اور حضور کے یہاں جس خدمت پر مَیں پہلے تھا۔ پھر مجھے اس پر بحال فرما دیا جائیگا۔ اور بلبل کو پھر اجازت دی جائے

کہ وہ گل پر بیٹھ کر اس طرح چہچہائے۔

دوسری چٹھی وزیر اعظم کے نام تھی۔ اس بدشکل کو سیّارہ کہا تھا۔ یعنی آپ تاروں میں سیارہ ہیں۔ اور ریاست کے سب سے بڑے لنگر ہیں۔ اور پھر شاعر نے وزیر سے یہ درخواست کی تھی۔ کہ پھر دربار میں اس کی حاضری ہو جائے۔

تیسرا خط اپنی بیوی کے نام تھا۔ جس میں کچھ اندرونی باتوں کے بعد لکھا تھا۔ کہ مجھے امید ہے کہ تم پہلے کی طرح کپڑے اور کھانے میں زیادتی نہ کرتی ہوگی۔ اور لونڈیوں غلاموں کی اچھّی طرح دیکھ بھال کر رہی ہوگی۔ میرے لئے کپڑے اور بستر بھیجدو۔ مَیں بالکل ننگا ہوں۔

چوتھی چٹھی خدمتگار کے نام تھی۔ جو لڑکوں کو پڑھاتا تھا۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ امید ہے۔ تم نے لڑکوں کی تعلیم و تربیّت میں دل لگایا ہوگا۔ اور انہوں نے روزہ نماز ترک نہ کیا ہوگا۔ اور اب تک وہ سواری اور تیر چلانے

ہیں بڑے اُستاد ہو گئے ہونگے ٭

داروغہ کی چٹھی کا مضمون یہ تھا۔ کہ تم کو گھر کے کاموں میں پہلے سے زیادہ کوشش کرنا چاہیئے۔ اور روزانہ وزیر اعظم کی خدمت میں جاکر ہماری طرف سے اس کی چاپلوسی کرنا چاہیئے۔ عورتوں اور لونڈیوں کو دیکھتے رہو۔ کہ حمام زیادہ نہ جائیں۔ علم و تجربہ میں ان کے ساتھ رہو۔ بڑھیوں اور خصوصاً یہودنوں کو اندر نہ آنے دو۔ دروازہ اور دیواروں کو دیکھتے رہو۔ کہ اس میں چھید نہ ہو جائیں۔ عورتوں کو کوٹھوں پر سے باتیں نہ کرنے دو۔ خصوصاً جوہر حبشی گھر میں زیادہ آنے جانے نہ پائے۔ اگر کوئی لونڈی اس سے چھپ کر بات کرے تو دونوں کے کوڑے لگاؤ۔ اس خط کے لانے والے کو اچھی مزدوری دے دینا ٭

خطوں کو مَیں نے پڑھا۔ پھر لپیٹ کر اس کو دے دئے۔ اور اس نے اپنے رومال میں رکھ لئے ٭

ملک الشعرا کی سلامتی کی خبر پہنچانے اور

مزدوری لینے کی خوشی میں وہ برابر چلے ہی جاتا تھا۔ کہتا تھا۔ کہ ڈرتا ہوں۔ ایسا نہ ہو۔ کوئی دوسرا مجھ سے پہلے وہاں پہنچ جائے اور یہ خبر پہنچا دے۔ مَیں برابر گھوڑے کو دوڑاتا ہؤا لایا ہوں۔ میرا گھوڑا لنگڑانے لگا تھا۔ یہ گھوڑا جس پر مَیں سوار ہوں ایک کاشتکار کا ہے۔ اپنا گھوڑا مَیں نے اسے دے دیا ہے۔ کہ وہ بعد میں لے لے۔ یہ باتیں کر کے وہ سبزے پر آرام سے سو رہا۔ اس حال میں مجھے خیال ہؤا۔ کہ اس ڈاک والے سے پہلے پہنچ جانا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ملک الشعراء سے مَیں خوب واقف تھا۔ اگر یہ خوشخبری مَیں لیجاؤں اور اس کی مزدوری لوں تو کیا نقصان ہے۔ اگر گھوڑے کی نسبت کہا جائے۔ تو جو حق اس گھوڑے پر ڈاک والے کا ہے۔ وہی میرا ہے۔ اس لئے مَیں نے خطوں کے رومال کو کھولا۔ اور داروغہ کے خط کو اس میں سے نکال لیا۔ اور کاشتکار کے گھوڑے پر سوار ہو کر ایڑ لگاتا ہؤا طہران کی راہ سے روانہ ہو گیا۔ اور جب تک

وہ جاگے جاگے میں بہت دور نکل گیا۔

میرے دماغ میں یہ تدبیر آئی۔ کہ ڈاک والے سے ایک روز آگے ہوں۔ جاگنے کے بعد وہ مجبور ہے۔ کہ کچھ دور پیدل چلے۔ اور گھوڑا تلاش کرے۔ وہ بھی ڈھونڈے یا نہ ڈھونڈے اور اگر ڈھونڈھے بھی تو لوگ اس کو گھوڑا دیں یا نہ دیں۔ اور جب وہ پیدل ہے تو اس کی بات لوگ مانیں یا نہ مانیں اس لئے بہتر یہ ہے۔ کہ طہران پہنچتے ہی پہلے جس قیمت میں بکے گھوڑے کو بیچ ڈالیں۔ اور پھر اچھے کپڑے پہن کر ایسا کریں۔ کہ لوگ سمجھیں کہ میں سفر سے آرہا ہوں ملک الشعرا کے یہاں جائیں۔ اور جہاں تک ہو سکے اپنا کام بنائیں۔ کیونکہ ملک الشعرا کی ساری باتیں مجھے معلوم تھیں۔ اس لئے میں اس تدبیر میں کوئی خرابی نہ دیکھتا تھا۔

یہاں تک داستان ہونے کے بعد لڑکوں نے جانے کی اجازت چاہی حاجی بابا نے قصّہ ختم کیا۔ اور یہ لڑکے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

حاجی بابا کا طہران آنا اور ملک الشعرا کے گھر جانا

دوسرے روز یہ تینوں لڑکے حاجی بابا کے یہاں وقت پر آ گئے۔ اور حاجی بابا نے اس طرح بیان کرنا شروع کیا:۔

مَیں صبح اُٹھ کر شاہ عبدالعظیم کے دروازہ سے طہران میں داخل ہوُا۔ اور فوراً گھوڑے بیچنے والوں کے میدان میں جا کر مَیں نے اپنا گھوڑا دلال کو دیا۔ راستہ میں اُس کی تیزی سے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ گھوڑا بُرا نہیں۔ لیکن جو کچھ دلال نے کہا۔ اس سے تو یہ معلوم ہوُا۔ کہ اگر اس کو مفت بھی دے دوں۔ تو بھی مَیں نے بہت کچھ لے لیا۔ پچھلے دونوں پاؤں اور اگلا دہنا پاؤں سفید تھا۔ جو منحوس کہا جاتا ہے۔ اس کے دانت بھی دغیلے تھے۔ خلاصہ یہ کہ جو باتیں گھوڑے میں نہ ہونا چاہئیں۔ وہ سب اس میں موجود تھیں۔

سارے سامان کے ساتھ اس کی قیمت پانچ تومان لگی۔ میں حیران تھا۔ اور جب میں نے وہ بھی بے سوچے سمجھے لے لئے۔ تو وہ دلّال بھی حیران رہ گیا۔ اس نے مجھے آدھی قیمت دی۔ اور آدھی قیمت میں ایک جھلّا گدھا دینا چاہا۔ میں راضی ہوا۔ باقی اودھار پر معاملہ طے ہوا۔ کیونکہ کچھ کہنے کی جگہ تو تھی نہیں۔ جلدی سے سودا کرکے بازار کی طرف چل دیا۔ خدمتگار والی نکیلی ٹوپی خریدی۔ جس کو کلارہ پاپاغی کہتے ہیں۔ اور درویشی کی ٹوپی کو بغل میں چھپا کر ملک الشعرا کے گھر کی کھوج میں نکلا۔ ملک الشعرا کا گھر طہران کے ایک اچھے محلہ میں تھا۔ چاروں طرف درخت لگے ہوئے تھے۔ مگر گھر کی حالت سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کا مالک یہاں نہیں رہتا۔ ڈیوڑھی آدھی کھلی ہوئی۔ ممٹی پر کسی کی آواز بھی گونہ آتی تھی۔ اور یہ باتیں مزدوری کے لئے بُرا شگون تھیں۔ میں کوٹھے پر چڑھا تو دیکھا کہ ایک پچاس سال کا بڈھا۔ ایک ٹاٹ پر بیٹھا

ہؤا حُقّہ پی رہا ہے۔ جب مَیں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہؤا کہ داروغہ ہے۔ بلند آواز سے مَیں نے کہا خوش ہو خوش ہو خان آ رہا ہے *

داروغہ نے کہا۔ کیا۔ کہتے کیا ہو۔ خان کیا۔ کہاں۔ کون۔ جب مَیں نے سارا حال بیان کیا۔ اور خط دکھایا۔ تو جھوٹی خوشی کے ساتھ رنجیدہ سا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ تجھ کو خدا کی قسم۔ ٹھیک بتا کیا خان زندہ ہے *

مَیں نے کہا۔ ہاں ہاں۔ کل ایک اور ڈاک والا بادشاہ کی خدمت میں ایک عرضی اور کچھ لوگوں کے نام خط لے کر آ رہا ہے *

پھر تو وہ پریشان ہو کر فضول سبکی سی باتیں بکنے لگا۔ ارے اللہ کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ جب کچھ پریشانی دور ہوئی۔ تو مَیں نے بہت کوشش کی کہ سمجھ جاؤں۔ کہ خوشی کی بات سے یہ رنج کیوں پیدا ہو گیا۔ اس نے اس قدر کہا۔ کہ سب کو یہ یقین تھا۔ کہ خان مر گیا۔ یہاں تک کہ اس کی بیوی نے خواب میں دیکھا تھا۔ کہ اس کی ڈاڑھیں جو درد کر رہی تھیں گر

گئیں - لہذا اس نے دوسری شادی کر لی - بادشاہ نے بھی ایسا ہی کہا تھا - اب یہ کہ نہیں مرا یں نہیں جانتا کہ مرا کیوں نہیں +

ولیم - تو ڈاڑھیں گر جانے سے کیا ہؤا ؟

حاجی بابا - بھائی - خواب میں اگر عورت دیکھے کہ اسکی ڈاڑھیں گر گئیں - تو اس کی تعبیر یہ ہے - کہ اس کا شوہر مر گیا +

اختر - خوب ! اچھا پھر آپ نے کیا کہا +

حاجی بابا - مَیں نے کہا - اس وقت تم کہتے ہو - کہ وہ ضرور مر گیا اور بادشاہ نے بھی ایسا ہی کہا - لیکن مَیں جو کچھ کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ چھ روز پہلے وہ استرآباد میں زندہ تھا - اور ضرور زندہ تھا - اب یہ کہ کیوں زندہ ہے - اسے مَیں نہیں جانتا - انشاء اللہ دوسرے ہفتہ میں وہ خود اپنی زندگی کا ثبوت دیگا +

اس نے حیرت اور فکر سے ایک آہ کی اور کہا - کہ جب تم یہاں سنوگے کہ ہر شخص یہی جانتا ہے کہ ملک الشعرا مر گیا ہے - تو تم میری پریشانی

پر حیران ہو گئے۔ پہلے تو بادشاہ نے گھر کا سارا مال لونڈیاں اور غلام سب حرامزادے منشی کو بخش دیئے۔ پھر اس کے گاؤں نیلام ہوئے۔ اور اعتماد الدولہ کے پاس پہنچ گئے۔ تیسرے اس کا عہدہ میرزا فضول کو دیا جانے کو ہے۔ اور اس پر سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ اس کی عورت نے خواب دیکھنے کے بعد اپنے لڑکے کے استاد سے نکاح کر لیا ہے۔ اب بتاؤ مجھے پریشان ہونا چاہیئے یا نہیں۔ مَیں نے کہا۔ ہاں چاہیئے تو ضرور لیکن ہماری مزدوری کہاں ہے؟

اُس نے کہا خیر میرے ہاتھ کٹ نہیں گئے۔ مَیں کہیں اور نوکری کر لونگا۔ لیکن یہ جو تو زندگی کی خبر لے کر آیا ہے۔ یہ میرے لئے موت سے زیادہ بدتر ہے۔ ان کی مزدوری جب وہ آئے تو اسی سے آکر لے لینا؟

مَیں اس امید میں کہ جب وہ آئیگا۔ تو اسی سے آکر مزدوری لونگا۔ داروغہ کو اسی فکر و پریشانی میں چھوڑ کر باہر نکل آیا؟

اتنا کہکر حاجی بابا نے کہا۔ کہ آج مجھے نیند جلد

آ رہی ہے۔ اب کل کہوں گا۔ یہ سن کر تینوں لڑکے چارپائی سے اُٹھے۔ اور اپنے گھر کی طرف چل دئے۔ گھر پہنچے کھانا کھایا۔ اور اپنے اپنے بستروں پر لیٹ رہے ۔

حاجی بابا کا ترقی کرنے کے لئے تدبیر کرنا۔ اور جھگڑے میں پڑ جانا

دوسرے روز تینوں لڑکے وقت پر آ پہنچے۔ اور قصہ یوں شروع کر دیا گیا۔ مَیں نے یہ طے کر لیا کہ شاعر کا انتظار کروں اور اس کی مدد سے کوئی کام بناؤں تاکہ نیکی کے ساتھ روٹی تو کھا سکوں۔ اور اس فریب کو چھوڑ کر ترقی کا راستہ اختیار کروں۔ مَیں اس زندگی سے تنگ آ گیا تھا۔ جب مَیں اپنے جیسے لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر دیکھتا تھا۔ تو کہتا تھا۔ کہ مَیں ان کے سامنے گویا کہ کچھ بھی نہیں۔ پہلے اس سے کہ میں کسی عہدہ پر پہنچوں۔ مَیں نے بڑے بڑے خیال بنا رکھے تھے۔ اور

اس عہدہ پر پہنچنے کے لئے میں بہت سی تدبیریں سوچ لی تھیں ؛

مَیں اپنے سے کہتا تھا۔ دیکھو اسمٰعیل بیگ سنار پہلے ایک خدمتگار تھا۔ اب خدمتگاروں کا افسر ہوگیا۔ نہ وہ مجھ سے زیادہ سجیلا ہے۔ نہ مجھ سے زیادہ باتونی۔ اگر وہ اپنی سواری پر گھمنڈ کرے تو یقین ہے کہ مجھ جیسا آدمی اس کی برابری کرسکتا ہے ؛

معیر الممالک جو بادشاہ کے صندوقوں کو سونے سے بھر رہا ہے۔ اور چھپ چھپ کر اپنا تھیلیاں بھی خالی نہیں چھوڑتا۔ کون ہے۔ ایک بندہ ہے۔ بیشک حجام کا لڑکا بقال کے لڑکے کے برابر پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ مَیں تو بعض باتوں میں اس سے بہتر ہوں۔ مَیں لکھنا پڑھنا جانتا ہوں۔ بادشاہ ایران کا پورا نہ خزانچی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ کھاتا ہے۔ پیتا ہے۔ ہر روز ایک نیا لباس پہنتا ہے۔ بادشاہ کے بعد جتنی میری سی آدھی عقل تو بھی اس میں نہیں۔

مَیں ایک دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔

اور یہ خیالی پلاؤ پکا رہا تھا۔ جہاں مَیں بیٹھا ہؤا تھا۔ وہاں سے ایک راستہ سیدھا بادشاہ کے محلّوں کی طرف جاتا تھا۔ ترقّی کرنے کا خیال میرے دماغ میں ایسا بس گیا تھا۔ کہ مَیں تدبیریں سوچتے اُٹھا۔ اور اس طرف چلدیا۔ میرے آگے ایک جمگھٹ لگا ہؤا تھا۔ اسے مَیں نے زور سے ڈھکیل دیا۔ جیسے کوئی بڑے خیال کا آدمی چیرتا پھاڑتا چلتا ہے۔ مَیں بھی اکڑ کر شان کے ساتھ چل رہا تھا۔ کچھ لوگ میری طرف دوڑے بہتوں نے مجھے گالیاں والیاں بھی دیں۔ بعض کہنے لگے۔ کہ یہ سڑی ہے۔ پاگل ہے۔ جب مَیں اس خیال کو چھوڑ کر کچھ ہوش میں آیا۔ اور فقیری گودڑی کو دیکھا۔ اور اپنی شکل پر نظر کی۔ تو اس کے سوا کیا کر سکتا تھا۔ کہ اپنی حالت پر خود ہنسوں اور اپنی بے وقوفی پر ٹھٹھے لگاؤں۔ میں سیدھا بازار کی طرف چلا۔ جہاں کپڑا فروخت ہوتا تھا۔ تاکہ عمدہ سی پوشاک لے کر اپنی صورت کو اچھّا بناؤں۔ جب مَیں اپنے گرد کے مجمع کو ہٹا کر

اس میں سے جانے کے لئے نکل رہا تھا۔ تو مَیں نے دیکھا کہ تین آدمی آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں۔ مَیں اُن کے دیکھنے کو ٹھیر گیا۔ بلکہ سب کو ڈھکیل ڈھکال کر ٹھیک موقع پر پہنچ گیا۔ دیکھا تین آدمی ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہیں۔ اس میں ایک تو دلال تھا۔ جس سے مَیں نے گھوڑا بیچا تھا۔ اور دوسرا شخص وہ ہے۔ جس کا مَیں گھوڑا لے کر اُڑ گیا تھا۔ اور تیسرا کسان تھا۔ جو اس گھوڑے کا مالک تھا۔ کچھ عجیب مزہ آ رہا تھا۔ ایک شخص اپنی طرف گھوڑا کھینچ رہا تھا۔ اور دوسرا اپنی طرف +

کسان۔ یہ میرا گھوڑا ہے +

ہرکارہ۔ یہ میرا پالان ہے +

دلال۔ سڑی ہو۔ یہ سب میرا ہے +

جب مَیں نے یہ دیکھا تو میرے ہوش جاتے رہے چاہتا تھا۔ کہ وہاں سے کھسک جاؤں۔ اتنے میں دلال نے مجھ کو دیکھ لیا۔ اور لپک کر میرا دامن ہی تو پکڑ لیا۔ اور کہنے لگا اوہو! دیکھو اس شخص نے مجھ سے گھوڑا بیچا تھا۔ جوں ہی ہرکارہ نے

مجھے پہنچانا۔ بس پھر کیا تھا۔ آفت ہی آ گئی۔ وہ مجھ پر ٹوٹ ہی پڑا۔ اور لوگ بادلوں کی طرح مجھ پر امنڈ پڑے۔ میرے ہوش جاتے رہے۔ شیطان۔ چور۔ فریبی بس یہ آوازیں تھیں۔ جو میرے کانوں میں زور سے آ رہی تھیں +

کرشن۔ شیطان کس کو کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ مسلمانوں کے اعتقاد میں شیطان اس کو کہتے ہیں۔ جو انسان کو اچھے کاموں سے روکتا ہے۔ مسلمانوں کی کتاب قرآن شریف میں ہے۔ کہ جب خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا۔

کرشن۔ حضرت آدم کون تھے؟

حاجی بابا۔ دنیا میں جو سب سے پہلے آئے۔ وہ حضرت آدم ہی تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے جن کو مسلمان حضرت آدم کہتے ہیں۔ اسی کو ہندو مہادیو کہتے ہیں۔ ان کی ایک بیوی بھی تھیں۔ جن کا نام حضرت حوّا تھا۔ جس کو ہندو پاربتی کہتے ہیں۔ یہ پہلے آدمی اور پہلے پیغمبر دنیا کے ہیں۔ ہاں تو جب خدا نے ان

کا پتلا بنایا تو ابلیس سے کہا کہ اس کو سجدہ کرو۔ ابلیس ایک فرشتہ تھا۔ جو آگ سے بنایا گیا تھا۔ آگ مٹی سے مرتبہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے ابلیس نے اپنی بڑائی کا خیال کرتے ہوئے آدم کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس وقت خدا کو غصہ آیا۔ اور اس نے اپنے یہاں سے نکال دیا۔ اس نے عہد کیا ہے۔ کہ قیامت تک دنیا والوں کو اچھے کاموں کی طرف سے بہکایا کریگا۔ اسی کے چیلے مرید کچھ شخص کہہ لو شیطان ہیں۔ یہ ساری باتیں مذہبی ہیں۔ ورنہ سرسیّد احمد خاں نے تو ان ساری باتوں کو لغو سمجھا ہے۔ اور کہا کہ حضرت آدم سے مراد وہ قوّت ہے۔ جو اچھائی کی طرف لی جاتی ہے۔ جس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ اور ابلیس سے مراد وہ قوّت ہے۔ جو بُرائی کی طرف لی جاتی ہے۔ جس کو نفس امّارہ کہتے ہیں۔ ان دونوں کے یہی دو کام ہیں۔ جو ہمیشہ ہوتے ہیں۔ اور ہوتے رہینگے۔

اختر۔ تو ان میں باتیں کیا ہو رہی تھیں؟
حاجی بابا۔ عجب لطف کی باتیں تھیں۔ سنو!
کسان۔ کہو بچہ میرا گھوڑا کہاں ہے؟
ہرکارہ۔ میرا زین تو مجھے دیدو؟
دلال۔ لائیے میرے تومان تو سیدھے ہاتھ سے رکھ دیجئے؟
لوگ۔ ارے میاں اسے قاضی کے پاس کیوں نہیں لیجاتے؟

جب یہ نوبت آئی۔ تو میں نے غل مچانا شروع کر دیا۔ قسمیں کھائیں اور کچھ پھبکیاں بھی دیں۔ مگر ہرکارہ میں بھی کچھ نرم پڑ گیا۔ اس وقت اتنا شور و غل مچ گیا تھا۔ کہ دس منٹ تک کسی شخص کی آواز بھی نہیں سنائی دی۔ ہر شخص اپنی ہانک رہا تھا۔ ہرکارہ کے غصہ کا عجیب عالم تھا۔ کسان کہہ رہا تھا۔ کہ دیکھو اس ہرکارہ نے میرے ساتھ نااتفاقی کی اور دلال صاحب تو ڈیڑھ چاول الگ ہی پکا رہے تھے۔ جو جس کا جی چاہتا تھا۔ وہ مجھے جلی کٹی سنا رہا تھا۔ کہ دیکھو حرامزادے نے میرا

روپیہ ٹھگ لیا۔ مَیں اس وقت بہ مُکھا لڑ رہا تھا۔ کسی کو تھپکیاں۔ کسی کو دلاسا دیتا تھا۔ کسی سے کچھ کہتا تھا اور کسی سے کچھ۔ ہرکارہ سے تو مَیں نے یہ کہدیا کہ تم خفا کیوں ہوتے ہو۔ تمہارا زین دیں تو سلامت ہے لے لو۔ اس کا تو یوں فیصلہ ہُوا۔ اب میں کسان سے کہنے لگا۔ مرد آدمی ذرا سُن تو سہی۔ تو کیوں جھگڑتا ہے۔ تو تو شکر کر کہ راستہ میں گھوڑا مر نہ گیا۔ لے اپنے گھوڑے کو تھام اور چلتا بن۔ اب رہ گیا دلال اس سے مَیں نے کہا۔ کس احمق کے بچّے اُلّو کے پٹھّے نے تیرے دام ٹھگے ہیں۔ یہ جو تو کہتا ہے کہ مَیں نے تجھ کو فریب دیا۔ میری تو یہ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ اگر تو ذرا بھی خیال کرے۔ تو خود ہی سمجھ لیگا۔ کہ تو نے مجھے صرف گھوڑے کی آدھی قیمت دی تھی اور آدھی قیمت میں تو چاہتا تھا کہ مرا ہُوا گدھا مجھے دے۔ کیا یہ فریب کی بات نہیں ہے۔ تو اپنا روپیہ لے۔ دلال کہنے لگا۔ مَیں تو روپیہ نہیں لیتا۔ مجھے تو

گھوڑا دلواؤ۔ یہ نیا جھگڑا بیچ میں اُٹھ کھڑا ہؤا اور اِدھر اُدھر بخشم بخشی ہونے لگی۔ آخر میں ہم دونوں مجسٹریٹ کے پاس پہنچے تاکہ وہ ہمارا فیصلہ کردے +

ہم دونوں مجسٹریٹ کے یہاں گئے۔ دیکھا کہ مجسٹریٹ اپنی عدالت میں بیٹھا ہؤا ہے۔ اور چاروں طرف سے اس کے ماتحت لوگ گھیرے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ہاتھوں میں لکڑیاں تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ کسی شخص کو مارنے کے لئے تیّار ہیں۔ مَیں نے مجسٹریٹ کے سامنے جاکر ساری حالت صاف صاف بیان کردی۔ اور اس بات کو بہت زور دے کر کہا۔ کہ اس دلّال نے مجھے چور اور فریبی کہا ہے۔ اس پر دلّال نے کہا کہ جب وہ گھوڑا اس کا تھا ہی نہیں۔ تو یہ اس کا بیچنے والا کون +

اس سوال و جواب نے پولیس کے داروغہ کو ایسا تنگ کیا کہ وہ اس مقدمہ کو چاہتا تھا۔ کہ قاضی کے یہاں بھیجدے۔ اتنے میں ایک شخص جو وہیں کھڑا ہؤا تھا۔ بول اُٹھا۔ تم

ایسے صاف مقدمہ میں الجھیڑا کیوں ڈالتے ہو۔ جب دلّال حاجی کو باقی روپے ادا کر دیگا۔ تو حاجی بھی دانے چارہ کا خرچ دلال کو دے دیگا +

یہ سنتے ہی چاروں طرف سے سبحان اللہ سبحان اللہ کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ صحیح ہو یا غلط ہم پھر اس مقدمہ میں جھگڑنے لگے۔ لیکن داروغہ نے ہم دونوں سے کہا۔ کہ تم دونوں صلح کر لو۔ تو بہتر ہے +

اب کیا تھا۔ میں نے فوراً دلال کو تومان دے کر رسید لے لی۔ جب فیصلہ ہو چکا۔ تو وہ لوگ پھر مقدمہ پر خیال کرنے لگے۔ وہ حیران تھا۔ کہ اس مقدمہ کا فیصلہ کیونکر ہو گیا۔ وہ سمجھ رہا تھا۔ کہ مجھے دھوکا دیا گیا۔ خوش قسمتی سے اس کا غصّہ پولس کے داروغہ پر پلٹ پڑا اور اس سے دلال نے کہا کہ یہ عجیب گدھا اور اندھا شخص ہے۔ فیصلہ کرنے بیٹھا ہے۔ بُرا کہیں کا ایماندار بن کر بیٹھا ہے +

کرشن۔ تو اب بس ختم کیجئے۔ اور اجازت دیجئے +

حاجی بابا۔ بہت خوب۔ جاؤ۔ ذرا جلد آیا کرو۔

اختر۔ اچھا۔ کل جلد آئینگے۔

یہ کہہ کر تینوں لڑکے حاجی بابا کے گھر سے نکلے اور سیدھے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

حاجی بابا کا نئے کپڑے بدلنا اور حمام میں جانا۔ اور ملک الشعرا کا اس سے سلوک

دوسرے روز یہ لڑکے جلد آگئے۔ اور یوں قصہ شروع ہو گیا۔

اب میں خود سوچ رہا تھا۔ کہ یہ فضول حرکت مجھ سے کیونکر ہوئی۔ لیکن اپنے آپ کو شاباش بھی دیتا تھا۔ کہ چلو سستے چھوٹے۔ ورنہ دھر لئے جاتے۔ جان بچی لاکھوں پائے۔ اب میں کپڑے والوں کی دوکانوں کی طرف چلا۔ اور وہاں جا کر ایک سرخ کپڑے کی قیمت چکائی۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ اس کا ایک چغہ بنواؤنگا۔ تاکہ چغہ والوں کی طرح میری بھی عزت ہونے لگے۔ کپڑے والے نے مجھے سر سے پاؤں تک اچھی طرح

دیکھا اور کہا کہ آپ چغہ کس کے لئے لے رہے ہیں۔ اور اس کی قیمت کون ادا کریگا؛

میں نے کہا۔ میں خود ادا کرونگا۔ اور کون ادا کریگا؛

کپڑے والے نے کہا۔ تمہارے لئے یہ کپڑا کس کام کا۔ ارے بے وقوف یہ تو منشیوں اور خانوں کا لباس ہے۔ اور تم ایسے معلوم نہیں ہوتے۔ میں غصہ ہو کر جواب دینے کو تھا۔ کہ اتنے میں ایک دلال استعمال شدہ کپڑے لئے ہوئے ہمارے پاس سے گزرا۔ میں نے اس کو آواز دی۔ اگرچہ وہ کپڑے والا تڑپ تڑپ کر رہ گیا۔ کہ بھائی مجھ سے کپڑا لو۔ لیکن میں نے پھر اس طرف بالکل خیال بھی نہ کیا۔ اور دلال کو لے کر ایک پاس کی مسجد کے قریب بیٹھے۔ دلال نے اپنے کپڑوں کی گٹھڑی اُتاری اور جو کچھ اس کے پاس سامان تھا۔ سب اس نے میرے آگے پھیلا دیا۔ میں نے ایک نہایت عمدہ ریشمی لباس پسند کیا۔ جس کے کناروں پر سنہری بیس لگی ہوئی تھی۔ اور سونے کے بٹن جگمگ جگمگ

کر رہے تھے۔ اس کو پسند کر کے مَیں نے قیمت پوچھی۔ دلال کپڑے اور میری پسند کی تعریف کرنے لگا۔ کہ خدا کی قسم یہ بادشاہ کے ایک مصاحب کا لباس ہے۔ جس کو اس نے دو ہی ایک مرتبہ پہنا ہے۔ وہ میرے چاروں طرف پھر رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ ماشاء اللہ کتنا اچھّا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے مَیں بہت ہی خوش ہوا۔ پھر مَیں نے کمر باندھنے کے لئے ایک شال اس سے مانگی۔ اس نے ایک کشمیری پورانی شال مجھے نکال کر دی۔ جس میں چھید ہی چھید دکھائی دیتے تھے۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ حضرت آدم کے وقت کی بنی ہوئی ہے۔ اس نے مجھے یہ یقین دلایا۔ کہ یہ شال بادشاہ کی بیگم کی ہے۔ اُس نے مجھے یہ اسے اچھّی قیمت پر بیچ دینے کے لئے دی ہے۔ میری بیوقوفی کہ مَیں نے کرمانی شال سے اس کو اچھا سمجھا۔ کیونکہ مَیں نے سوچا کہ جتنی قیمت میں کرمانی شال آتی ہے۔ اتنی ہی قیمت پر پُرانی شال کشمیری آتی ہے۔ یہ شال میں اس وجہ سے لے رہا تھا۔ کہ میری

پیٹھ کے زخم اس سے چھپ جائیں۔ اور دوسری طرف کمر میں تلوار اڑس سکوں۔ جس سے میری وردی پوری ہو جائے۔ جب میں نے یہ خواہش کی تو دلال نے فوراً اور چیزیں بھی حاضر کیں۔ جب میں یہ چیزیں پہن کر ٹھاٹھ بنا کر کھڑا ہؤا تو میں نے خواہ مخواہ میں ان چیزوں کی طرف سے اطمینان ظاہر کیا۔ کیونکہ وہ مجھے یقین دلا رہا تھا۔ کہ مجھ جیسا سجیلا طہران میں کوئی نہیں۔ جب میں نے یہ ساری چیزیں پسند کر کرا لیں۔ تو اس میں بہت کچھ باتیں ہوئیں۔ دلال صاحب اپنی ایمانداری کا یقین دلا رہے تھے۔ کہ جناب میں احمق دلالوں میں سے نہیں ہوں کہ جو سو مانگتے ہیں۔ اور پچاس لیتے ہیں۔ میں آپ سے ایک ہی بات کہوں گا۔ آپ پھر پلٹ کر کم نہ کہئے گا۔ غرض دلال نے کوٹ کی قیمت پانچ تومان مانگے۔ اور شال کی پندرہ تومان اور کٹار کے چار تومان۔ سب مل کر چوبیس تومان اس نے مجھ سے طلب کئے +

یہ سُنتے ہی میرے شوق کی بھڑکتی ہوئی

آگ دھیمی پڑ گئی۔ کیونکہ میرے پاس صرف بیس تومان تھے۔ میں وہ کپڑے اتارنے ہی کو تھا۔ کہ میں پھر اپنی فقیری والی گدڑی پہن لوں۔ اور یہ کپڑے دلال کو واپس کردوں۔ دلال نے ایسا کرتا دیکھ کر مجھے روکا اور کہا کہ شاید آپ یہ سمجھے کہ یہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ آپ کی جان اور اپنے سر کی قسم میں نے ان چیزوں کو انہیں داموں میں خریدا ہے۔ آخر آپ بھی تو فرمائیں۔ آپ کیا دینا چاہتے ہیں +

میں نے کہا۔ اجی آپ نے تو اتنی قیمت بتائی ہے۔ کہ میں کچھ کہہ ہی نہیں سکتا۔ خیر میں کہے دیتا ہوں۔ مانیں مانیں ورنہ آپ کا مال ہے ان ساری چیزوں کے میں پانچ تومان دے سکتا ہوں +

یہ سُن کر اس نے نہایت حقارت کے ساتھ انکار کیا۔ میں نے اس کے کپڑے اُتار کر اس کے حوالہ کئے۔ جب اس نے کپڑے نہ کئے۔ اور ہماری آپس کی باتیں طے پا گئیں تو اس نے پھر کہا۔ کہ میں آپ کو اپنا دوست سمجھ کر

یہ چیزیں دے رہا ہوں - اور جو کچھ بھلائی ہیں تمہارے ساتھ کرونگا - وہ اپنے بھائی کے ساتھ بھی نہ کرونگا - اچھا میں صرف دس تومان میں یہ ساری چیزیں دے سکتا ہوں - مَیں نے پھر بھی انکار کیا - اب ہم دونوں میں جھک جھک ہونے لگی - مَیں نے کہا اچھا چھ تومان سہی - بھئی اس سے زیادہ میں ایک پیسہ بھی نہ دونگا - یہ سُن کر اس نے منظور کر لیا اور مَیں نے کپڑے لے لئے - وہ قیمت سے لوا کر روانہ ہُوا - اور میں نے کپڑے اُٹھا لئے - اور یہ ارادہ کیا - کہ حمام جاکر ان سب کو پہننا چاہیئے - راستہ میں ایک باناتی جوتا - ایک نیلے ریشم کی قمیض اور ایک جوڑا قرمزی رنگ کے ریشمی پائجاموں کا مَیں نے خریدا - اور ان سب کو ایک رومال میں باندھکر حمام کی طرف روانہ ہُوا + مَیں سیدھا حمام کے اندر چلا گیا - اور کسی نے آنکھ اُٹھا کر بھی مجھے نہیں دیکھا - کہ یہ ہے کَون شخص - کیونکہ ماشاء اللہ سے میری صورت ہی بہت اچھّی تھی - مَیں نے یہ دیکھ کر اپنے دل کو رنجیدہ نہیں کیا - اور خوب

اطمینان کر لیا۔ کہ کپڑے پہن لوں۔ پھر بتاؤنگا۔ مَیں نے کپڑے اُتار کر ایک کونہ میں رکھ دیئے۔ مَیں ننگا ہوگیا۔ اور ایک تہ بند باندھکر حمام میں چلا گیا +

سب لوگ حمام میں ایسی صورت سے آتے تھے۔ مَیں نے ذرا اپنے دل میں دون کی لی۔ کہ میری صورت۔ میرا چوڑا سینہ۔ میری پتلی کمر میری خود بخود تعریف کرا لے گی۔ مَیں نے جاتے ہی ایک حمام والے کو آواز دی۔ اور اس سے کہا کہ تم مجھے نہلا دو۔ مَیں نے اس کو یہ بھی حکم دیا۔ کہ تو میری ڈاڑھی اور گل مُچھّوں کو کھلی بنس سے صاف کر دے۔ مَیں نے اس پر ایسا ظاہر کیا۔ کہ معلوم ہو کہ مَیں بڑی پاکی کے ساتھ نہانا چاہتا ہوں۔ جب وہ حمام والا مجھے مل مل کر نہلانے لگا۔ تو اس نے بار بار میرے چوڑے سینہ کی تعریف کی۔ کہا آپ کیسے مبارک وقت میں یہاں تشریف لائے ہیں۔ ابھی مَیں ایک خان کو نہلا کر آیا ہوں۔ جس کو بادشاہ نے فضل

کے پہلے سر دے لانے پر خلعت عنایت کی ہے ؎
جب میں غسل کر چکا۔ تو حمام والے نے میرا جسم ایک کپڑے سے پونچھا۔ اور پھر مجھے اس جگہ لایا جہاں میرے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے بہت ہی خوشی کے ساتھ کپڑوں کی گٹھڑی کو کھولا۔ اور بہت ندیدی نظروں سے دیکھتا رہا۔ جب میں نے ساری چیزیں پہن لیں۔ تو اس وقت مجھے معلوم ہؤا۔ کہ اب میں نئے سرے سے آدمی بنا ہوں۔ میں نے اپنی عمر میں کبھی نئے کپڑے نہ پہنے تھے۔ جب میں نے پاجامہ پہنا اور عمامہ باندھا اور اوپر سے کوٹ کو بھی پہن لیا۔ اور اس کی کچھ کھڑکھڑاہٹ ہوئی۔ تو اب میں اپنے آپے میں نہ تھا۔ دماغ تو آسمان پر تھے۔ اور میں نہ معلوم اپنے آپ کو کیا سمجھ رہا تھا۔ اب میں چاروں طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ کہ اب کون ہے۔ جو میری برابری کر سکے۔ میں نے ایک نئے ڈھج سے شال کو کمر میں لپیٹا۔ چھوٹا آدھا سرا تو آگے لپکا ہؤا تھا۔ اور

نصف سے زیادہ پیچھے۔ جب مَیں نے کٹارکو کمر میں اڑسا تو پھر اس وقت کا عالم نہ پوچھیئے۔ سمجھ رہا تھا کہ دنیا میں اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ مَیں نے اپنی ٹوپی کو سر پر ٹیڑھا رکھا۔ جب اس حمام والے نے مجھے آئینہ لاکر دکھایا۔ جس سے غرض تھی۔ کہ مَیں اس کو کچھ دوں۔ پہلے مَیں نے اُس سے کہا۔ کہ زلفیں سنوار کر کانوں کے نیچے شانوں پر ڈال دے۔ اور میری مونچھوں کو اینٹھ کر میرے رخساروں کے ارد گرد کردے۔ جب وہ سب کہ چکا۔ تو مَیں نے اس کو بہت سی مزدوری دی۔ اور اپنی گدڑی بھی اسی کو سونپی پھر میں وہاں سے نہایت ٹھاٹھ کے ساتھ اکڑتا ہوُا روانہ ہوُا۔ اتنا کہہ کر حاجی بابا نے کہا +

حاجی بابا۔ بس یا اور کہوں ؟

اختر۔ کہیئے ! آج تو جلد آ گئے تھے۔ ابھی رات زیادہ نہیں گئی +

حاجی بابا۔ اچھا مَیں سیدھا شاعر کے گھر کی طرف

روانہ ہؤا۔ خیال سے جب مَیں اس کے گھر کے پاس پہنچا۔ تو دیکھا۔ کہ دروازہ کو لوگ گھیرے ہوئے کھڑے ہیں۔ معلوم ہؤا کہ ابھی شاعر گھر میں چھت پھاند کر گیا ہے۔ ایران کا دستور ہے۔ کہ جس کی نسبت یہ خبر اُڑ جائے۔ کہ وہ مرگیا۔ اور پھر وہ زندہ گھر واپس آئے۔ تو وہ دروازہ سے گھر میں نہیں گھستا۔ بلکہ اس کو چھت پر سے ہوکر مکان میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ مَیں فوراً بھیڑ کو چیرتا ہؤا اس کمرہ میں پہنچا۔ جہاں شاعر بیٹھا ہؤا تھا۔ مَیں نے جاتے ہی اس کے آنے پر مبارکباد دی۔ اس نے مجھے بالکل نہیں پہنچانا۔ جب مَیں نے اس سے کہا کہ مَیں فلاں شخص ہوں۔ اس وقت بھی اس نے مشکل سے پہنچانا۔ ایسا اس وجہ سے ہؤا۔ کہ جب اُس نے مجھے دیکھا تھا۔ تو مَیں میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اور اب ایسے ٹھاٹھ دار لباس میں تھا *

شاعر کا کمرہ ہر قسم کے آدمیوں سے بھرا ہؤا تھا۔ بعض وہ لوگ تھے۔ جو در اصل اس

کے آنے سے خوش تھے۔ اور بعض وہ تھے۔ جو
اس کے آنے سے بہت رنجیدہ ہو گئے تھے۔
وہ لوگ جو اس کے آنے سے خوش نہ تھے۔
اور چاپلوسی سے شاعر کو مبارکباد دے رہے
تھے۔ اس میں سے ایک مرزا فضولی بھی تھا۔
جسے شاعر کا عہدہ ملنے والا تھا۔ مرزا فضولی کہہ
رہا تھا۔ کہ جناب کی جگہ خالی تھی۔ آپ کے
دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترس رہی تھیں۔
خدا کا شکر ہے۔ کہ آپ واپس صحیح و سالم تشریف
لے آئے۔ لیکن یہ ساری باتیں کمرے کے اندر
ہی تک تھیں۔ اتنے میں شور و غل کی آوازیں
سنائی دیں۔ دروازے کھول دئے گئے۔ بادشاہ
کا ایک آدمی آیا۔ اور اُس نے شاعر سے کہا۔
کہ بادشاہ نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ شاعر
اسی حالت میں سفری کپڑے اور جوتے پہنے
ہوئے گرد میں اٹا ہوا بادشاہ کے پاس روانہ ہوا۔
اس وقت بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ میں بھی وہاں سے
اُٹھ کھڑا ہوا۔ کہ اب کل آکر ملاقات کرونگا۔
میں جا رہا تھا۔ کہ کمپاونڈ کے اندر داروغہ سے

ملاقات ہوگئی۔ جس سے میں پہلے مل چکا تھا۔ مجھے یہ شخص بھی خوش نہ معلوم ہوا۔ اوداسی اس کے چہرہ پر چھائی ہوئی تھی۔ اور کھویا ہوا سا تھا۔

میں نے کہا۔ دیکھا میں جو کہتا تھا۔ کہ خان زندہ ہے۔ ٹھیک ہے نا۔

داروغہ نے آہ بھر کر کہا۔ بیشک ٹھیک ہے وہ زندہ ہے۔ اور خدا اس کو ہمیشہ زندہ رکھے لیکن ہمارا بھی اللہ مالک ہے۔

یہ اسی طرح کی باتیں بنا کر چلتا بنا۔ اس کی صورت سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔ پھر میں فرصت کے دنوں میں گشت لگاتا رہا۔ بازاروں کی سیر مسجدوں کی زیارت کی اور بیکار لوگوں کے پاس بھی باتیں بناتا رہا۔ میں کبھی اُن شخصوں سے مل جاتا تھا۔ جو بادشاہ کی ڈیوڑھی کے دروازہ کے اِدھر اُدھر پھرا کرتے ہیں۔ یہاں شاعر کے آنے اور بادشاہ کا اس کو آؤ بھگت لینے کی خبریں اڑ رہی تھیں۔ کچھ تو لوگ کہہ رہے تھے۔ کہ

جب بادشاہ نے یہ خبر سنی کہ شاعر زندہ واپس آیا ہے۔ تو اس نے بالکل یقین نہ کیا۔ کیونکہ وہ تو کہہ ہی چکا تھا۔ کہ وہ مر گیا۔ اس کا سلامتی کے ساتھ پہنچنا اچنبھے کی بات تھی۔ بعض لوگوں کا بیان تھا۔ کہ جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو اس نے بہت خوشی ظاہر کی اور فوراً دس تومان فقیروں کو بانٹے۔ لیکن اصل بات یہ ہے۔ کہ بادشاہ شاعر کے آنے سے رنجیدہ تھا۔ کیونکہ بادشاہ نے جو کچھ انتظام کیا تھا۔ وہ شاعر کے آنے سے بالکل برباد ہو گیا۔ اور جو انہوں نے اس کے گھر اور سامان کی نسبت کیا تھا۔ وہ سب تباہ ہو گیا۔ اس لئے بادشاہ نے پہلے تو اسکی آؤ بھگت نہ کی۔ لیکن فتح علی تو جانتا ہی تھا۔ کہ بادشاہ کی طبیعت شعروں کی طرف بہت مائل ہے۔ اور خاص کر ان شعروں کی طرف جس میں اس کی تعریف کی جائے۔ اس لئے اس نے فوراً ایک فی البدیہہ قصیدہ کہہ لیا۔ یہ قصیدہ اس نے مناسب موقع پر پڑھ کر بادشاہ کے

سارے خیال کو بدل دیا۔ اور اس سے فائدہ بھی حاصل کر لیا۔ آخر بادشاہ نے ساری تکلیفوں کے بدلے میں اس کا منہ سونے سے بھر دیا۔ خلعت عنایت کی۔ جو سامان اس نے دوسروں کو دے دیا تھا۔ وہ واپس دیا۔ اور اس کا قدیمی عہدہ بھی اس کو بخشا۔

میں نے اپنے مالک کو پھر مبارکباد دی۔ اور اُس کے یہاں صبح سویرے ہی جا دھمکا جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ مجھ پر بہت مہربانی کرتا ہے۔ تو میں نے اس کو بتایا۔ کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ اور پھر میں نے یہ بھی عرض کی کہ اوّل تو مجھے اپنے ہی مکان میں میرے رہنے کو کوئی جگہ دیجئے۔ یا پھر کہیں سفارش کر دیجئے۔ کہ مجھے کوئی نوکری مل جائے۔ مجھے یہ معلوم ہوا تھا۔ کہ داروغہ جو شاعر کے آنے سے رنجیدہ سا ہو گیا ہے۔ ان کا سبب یہ تھا کہ اس نے اس کے مال میں کچھ کاٹا کپٹا تھا۔ جس کی وجہ سے شاعر اس سے ناراض تھا۔ مجھے امید پیدا ہوئی۔ کہ شاید میں

اس کی جگہ پر ہو جاؤں۔ مَیں نے بہت شوق سے درخواست کی۔ یہ بھی کہا کہ آپ اپنے ملازم کی غلطی کو معاف کر دیں۔ لیکن مَیں اپنی محنت میں کامیاب نہ ہوا۔ آخرکار میں اس کے دربار میں مصاحب ہو گیا ؂

ایک دن تڑکے ہی شاعر نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ اور مجھے کہا کہ دوست حاجی تم جانتے ہو۔ کہ مَیں تمہارا کس قدر احسان مند ہوں۔ صرف اس وجہ سے کہ تم نے ترکمانوں کی قید میں مجھ سے بڑی مہربانی کی تھی۔ اب میں تمہیں ان کا بدلہ دونگا۔ بادشاہ کا حکیم اور حکیموں کا افسر جس کا نام مرزا احمق ہے۔ اس سے میں تمہاری سفارش کرونگا۔ اسے ایک ملازم کی ضرورت ہے۔ مجھے پوری امید ہے۔ کہ اگر تم نے اپنا کام اچھّا کیا۔ اور وہ تم سے خوش رہا۔ تو وہ اپنا پیشہ تمہیں سکھا دیگا۔ اور تمہیں ایسے راستہ پر ڈال دیگا۔ کہ تم خوب کما سکوگے۔ تم اس کے پاس چلے جاؤ۔ اور جا کر کہو کہ مجھے ملک الشعرا نے بھیجا ہے۔ وہ تمہیں

ملازم رکھ لیگا۔ میں ہرگز حکیمی سیکھنا نہ چاہتا تھا۔ کیونکہ مجھے اس درویش کی کہانی یاد تھی۔ جس سے ایک حکیم سے لپاڈگی ہوئی تھی۔ اس لئے میں اس پیشہ کو بُرا سمجھتا تھا۔ لیکن میری حالت بہت خراب ہوگئی تھی۔ اور میری گرہ میں ایک کوڑی بھی باقی نہ رہی تھی۔ اس لئے مجبوری سے حکیم کی ملازمت مجھے کرنا پڑی۔ آخرکار میں صبح کے وقت حکیم کے گھر کی طرف چلا۔ جو بادشاہی محلوں کے پاس واقع تھا۔ میں ایک ٹوٹی پھوٹی ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ میں نے وہاں دیکھا۔ کہ بعض مریض تو آلتی پالتی مارے ہوئے۔ دیوار کی ٹھیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کچھ مریضوں کے دوست ان کی تیمارداری کر رہے تھے۔ اور بعض ہاتھوں میں بوتلیں لئے ہوئے بیٹھے تھے۔ کہ حکیم صاحب عورتوں کے دالان سے نکلیں تو ہمیں بھی پوچھنے گچھنے کا موقع ملے۔ میں ایک کھلے ہوئے دروازہ کی طرف چلا۔ وہاں وہ لوگ جو اندر نہ جا سکتے تھے۔ کھڑے ہوئے تھے۔ میں بھی وہیں کھڑا ہوگیا۔ کہ جب تک کوئی اندر نہ بلائے۔ یہیں کھڑا

رہنا چاہیئے۔ اندر کچھ لوگ ایسے بیٹھے ہوئے تھے۔ جو حکیم صاحب کی مصاحبت کرنے آئے تھے۔ کیونکہ ایران میں یہ بھی قاعدہ ہے۔ کہ ہر افسر صبح کا دربار کرتا ہے +

حکیم صاحب دروازہ کی طرف بیٹھے ہوئے اپنا دن کا کام کر رہے تھے +

حکیم ایک کھوسٹ آدمی تھا۔ ایک آنکھ وہ بھی گڑھے میں گھسی ہوئی۔ گالوں کی ذرا ہڈیاں اُٹھی ہوئیں۔ بکرے کی سی کچُی ڈاڑھی۔ کمر جھکی ہوئی۔ بیٹھنے میں ٹھوڑی کو ذرا آگے کئے ہوئے۔ ایک تکیہ دونوں شانوں کے بیچ میں سر سے لگا ہوا۔ دونوں ہاتھ ہر وقت ادھر اُدھر کمر پر رکھے ہوئے۔ یہ بہت غرور کے ساتھ چھوٹے چھوٹے جملوں میں باتیں کرتا تھا۔ وہ اگر کبھی جواب دینے کا موقع آتا تھا تو نہایت گنگنا کر جواب دیتا تھا۔ جب حکیم صاحب سب بیماروں کے نسخے لکھ چکے۔ اور اپنے لوگوں سے باتیں کر چکے۔ تو میری طرف دیکھا۔ مَیں نے کہا کہ مجھے شاعر نے بھیجا ہے۔ تو وہ بڈھا کچھ دیر

میری طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر اُٹھ کر مجھے وہاں سے ایک چھوٹے سے مکان میں الگ لے گیا۔ اس کو چاروں طرف سے دیواریں گھیرے ہوئے تھیں۔ مگر جس کمرہ میں یہ حکیم بیٹھا ہوا تھا۔ اس میں ایک دیوار بھی نہ تھی؛

اختر۔ اچھّا اب قصّہ ختم کیجیئے۔ وقت زیادہ ہوگیا۔ جائینگے؛

حاجی بابا۔ اچھّا۔ جاؤ۔ خدا حافظ؛

تینوں لڑکے چارپائی سے اُٹھے اور حاجی بابا کو سلام کرکے اپنے اپنے گھر روانہ ہوگئے؛

حاجی بابا کا حکیم کے یہاں ملازم ہونا

جوں ہی مَیں بیٹھا حکیم نے مجھے بلایا۔ اور بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا۔ میں اس طرح بیٹھا جیسے کوئی کم درجہ کا آدمی کسی بڑے آدمی کے سامنے بیٹھتا ہے۔ اُس نے مجھ سے کہا۔ کہ ہمارے دوست فتح علی خاں صاحب نے تمہاری مجھ سے بہت تعریف کی ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ

تم بھروسہ کے آدمی ہو۔ اور خصوصاً جو کام میں کرنے والا ہوں۔ اس میں تم بہت احتیاط کرو گے۔ کیونکہ تم نے زمانہ کا گرم و سرد دیکھا ہے۔ اور تم ہمیشہ اپنی تدبیروں میں کامیاب رہے ہو۔ اگر کوئی راز کا کام تمہارے سپرد کیا جائیگا۔ تو تم بڑی ہوشیاری سے اس کو کرو گے۔ جیسی جیسی وہ میری تعریف کرتا جاتا تھا۔ میں بار بار اپنی کمر کو خم کر کے سر اس کے آگے جھکاتا جاتا تھا۔ اور اس کے آگے دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں پر رکھے ہوئے اس طرح بیٹھا ہوا تھا۔ کہ میرے ہاتھ آستینوں کے کناروں سے ڈھکے ہوئے اور میرے پیر پاجامہ سے چھپے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ بوڑھا حکیم کہنے لگا۔ کہ مجھے تم جیسے آدمی کی اس موقع پر سخت ضرورت ہے۔ اور کیونکہ مجھے اپنے دوست کی سفارش پر بھروسہ ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ تمہیں تمہارے کاموں میں ایک قابل اور لائق شخص بنا دوں۔ جیسی کہ مجھے امید ہے۔ اگر تم

ویسا ہی کام کرو گے۔ تو تم یقین کرلو۔ کہ تمہاری حالت میں بہت اچھی کر دونگا۔ اور میں بھی کوئی سلوک کرنے میں کمی نہ کرونگا۔ پھر مجھے حکیم نے اور بھی اپنے پاس بلایا۔ اور بہت دبی ہوئی زبان میں کہا۔ حاجی دیکھو ایک انگلینڈ کا ایلچی کچھ دنوں سے بادشاہ کے پاس آیا ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک وہاں کا ڈاکٹر بھی ہے +

ولیم۔ انگلینڈ کیا کسی مقام کا نام ہے؟

حاجی بابا۔ ہاں یہ ایک ملک ہے۔ جو یورپ کے برِّ اعظم میں واقع ہے +

اختر۔ پھر حکیم نے آپ سے کیا کہا +

حاجی بابا۔ اس نے مجھ سے یہ کہا۔ کہ اس ڈاکٹر نے یہاں بڑی شہرت پیدا کرلی ہے۔ یہ اپنے مریضوں کا ایسا علاج کرتا ہے۔ جو ہمارے لئے بالکل نیا ہے۔ وہ اپنے ساتھ دوائیوں کا ایک صندوق بھی لایا ہے۔ جس کا ہم کو نام تک نہیں معلوم۔ یہ ڈاکٹر بہت سی ایسی چیزیں جانتا ہے۔ جس کو ہم نے کبھی ایران میں سنا

بھی نہیں - یہ ڈاکٹر گرم اور سرد بیماریوں میں کوئی فرق ہی نہیں کرتا - جیسا کہ جالینوس اور ابن سینا نے اپنی کتابوں میں کیا ہے +

ولیم - یہ جالینوس اور ابنِ سینا کون تھے ؟

حاجی بابا - جالینوس ایک یونانی حکیم تھا - اور ابن سینا بو علی سینا کو کہتے ہیں - جس کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں - یہ دونوں حکیم علم طب میں بڑے کامل گزرے ہیں +

اختر - تو پھر حکیم نے کیا کہا ؟

حاجی بابا - اس نے کہا کہ وہ پیٹ میں اپنا تیز آلہ پھونکتا ہے - تاکہ معدہ میں ہوا پہنچے - اور اس کو یہ بھی دعوٰے ہے - کہ میں چیچک کا علاج اچھّا کرتا ہوں +

ولیم - معدہ کس کو کہتے ہیں - اور چیچک کس بیماری کا نام ہے ؟

حاجی بابا - معدہ پیٹ میں ایک تھیلی ہے - جس میں کھانا جا کر ہضم ہوتا ہے - چیچک ایک مرض ہے - جو کیڑوں کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے - اس کے جراثیم مچھروں

وغیرہ کے ذریعہ سے خون میں نہیں ملتے۔ بلکہ سانس لینے سے منہ اور ناک کے رستہ سے ہمارے اندر چلے جاتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے کہا ہے۔ کہ چیچک کے مریضوں کو ہرگز نہ چھونا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی کھال کی پھنسیوں میں بہت زیادہ جراثیم ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جب مریض اچھا ہونے لگتا ہے۔ اور اس کی کھرنڈ ابھی اُڑ رہے ہوتے ہیں۔ اُس وقت مریض کو چھونا اور بھی نقصان دیتا ہے۔ جس کمرہ میں مریض چھینکتا اور کھنکھارتا رہا ہو۔ وہاں کی ہوا میں سانس لینا بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ مریض کے کپڑوں۔ بستر اور اُس کے کمرہ میں بہت سی چیزوں پر چیچک کے جراثیم ہوتے ہیں۔ اور مہینوں زندہ رہتے ہیں۔ اس لئے صفائی کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ جراثیم مارنے والی دوائیوں کو زیادہ استعمال کرنا چاہیئے۔ مکھیاں بھی چیچک کے جراثیم پھیلاتی ہیں۔ اور اگر احتیاط نہ کی جائے۔ تو یہ مکھیاں چیچک کے جراثیم

کو کھالوں۔ کپڑوں اور ہاتھ پاؤں تک پہنچا
دیتی ہیں۔ اس مرض میں چھوت ہوتی ہے۔
اور بہت جلد دوسروں کو لگ جاتی ہے۔
اس لئے ضروری ہے۔ کہ اس کے مریض کو
ایک الگ کمرہ میں رکھا جائے +

کرشن۔ تو اُس کا کوئی علاج بھی نکلا ہے۔
جو اس بیماری کو کھو دے +

حاجی بابا۔ ہاں ہاں۔ ۱۷۹۶ء میں ایڈورڈ جینر
نے ایک ٹیکہ ایجاد کیا تھا۔ جس کو اگر
بچّوں کے لگا دیا جائے۔ تو پھر چیچک کے
جراثیم اثر نہیں کر سکتے۔ اور اگر کرینگے۔
تو بہت کم۔ اِس ٹیکہ کا اثر ۷۔ ۸ سال تک
خون میں باقی رہتا ہے۔ اس لئے ہر
۷ سال کے بعد چیچک کا ٹیکہ لگوا لینا چاہئے۔
تاکہ خون میں جراثیم کے مارنے کا زہر
برابر پہنچتا رہے +

ولیم۔ ٹیکہ میں دوا کیا ہوتی ہے؟

حاجی بابا۔ ہاں بتاتا ہوں۔ دیکھو انسان کے
خون میں دو قسم کے ریشے ہوتے ہیں۔

لال اور سفید۔ سفید ریشے بیماریوں کے جراثیم کو مارتے رہتے ہیں۔ لیکن جب چیچک کے جراثیم گائے کے خون میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس پر زیادہ اثر نہیں ہوتا۔ اور وہ جراثیم بہت جلد کمزور ہو جاتے ہیں۔ یہ کمزور جراثیم ٹیکہ کے ذریعہ سے انسان کے بدن میں داخل کئے جاتے ہیں۔ جس کو سفید ریشہ بہت جلد تباہ کر دیتے ہیں۔ اور ایک خاص قسم کا زہر ملا مادہ پیدا کر دیتے ہیں۔ جو چیچک کے جراثیم کو مار ڈالتا ہے۔

اختر۔ خوب۔ ہم یہ ساری باتیں اچھّی طرح سمجھ گئے۔ اب قصہ شروع کیجئے؟

حاجی بابا۔ تو کہاں تک ہو چکا تھا؟

اختر۔ اس نے یہ دعوے کیا ہے۔ کہ مَیں چیچک کا بہت اچھّا علاج کر سکتا ہوں۔

حاجی بابا۔ تو حکیم نے مجھ سے کہا کہ دیکھو حاجی تم جانتے ہو کہ چیچک ہی میں ہماری زیادہ آمدنی ہے۔ مَیں اسے کیونکر کھو دوں۔ کافر تو یہ چاہتا ہے۔ کہ یہاں آئے۔ اور ہم کو

جانوروں کی طرح ہانکے۔ بھلا ہم کیونکر اسے اجازت دے سکتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے منہ سے روٹی کا ٹکڑا چھین کر چلتا بنے۔ مَیں تم سے مدد جو چاہتا ہوں۔ وہ اس وجہ سے ہے کہ دو دن ہوئے وزیر اعظم زیادہ کھا لینے کے سبب سے بیمار ہوگیا۔ اور بہت بیچین تھا۔ کمبخت کچّا کاہو اور کھیرا سرکہ میں ڈبو کر چٹ کر گیا تھا۔ اس کی ٹھیک خبر اس کے ایلچی کے کانوں میں پڑی۔ کیونکہ وہ کھانا کھانے کے وقت وہیں موجود تھا۔ اس نے فوراً اپنے ڈاکٹر کو۔ وہاں بھیجا۔ کہ جاکر وزیر صاحب کا علاج کرے۔ اس نے وزیر صاحب سے اجازت چاہی ہے۔ کہ اس کو اپنا علاج کرنے دیں۔ کہ وہ بہت جلد اچھے ہو جائیں۔ تھوڑے دنوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ کہ وزیر اعظم اور انگلستان کے ایلچی سے کچھ چشمک گئی ہے۔ ایلچی نے یہ چاہا تھا۔ کہ بعض باتیں ملکی معاملوں میں اس کے لئے

جائز رکھی جائیں۔ لیکن وزیر اعظم نے ایران کے فائدہ کا خیال کرتے ہوئے۔ اس سے انکار کر دیا۔ چونکہ یہ ایسا موقع ہے۔ کہ اس بات سے ایلچی وزیر اعظم سے ناراض ہو جائیگا۔ اس لئے اس نے ڈاکٹر کو اجازت دے دی ہے۔ اگر مجھے پہلے سے خبر ہوتی تو مَیں ضرور اس معاملہ میں اپنا قدم آگے بڑھاتا۔ لیکن ڈاکٹر نے دوا پلانے میں ذرا دیر بھی تو نہیں کی۔ مَیں نے سنا ہے کہ اس کی دوا کیا ہے۔ ایک بد مزہ گولی ہے۔ جو اس کو کھلا دی ہے۔ اگر ساری باتوں کا خیال کیا جائے۔ تو سوائے بد قسمتی کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ گولی نے بہت جلد اثر کیا۔ وزیر اعظم اچھا جو ہو گیا ہے۔ تو وہ ان گولیوں کو آبحیات سمجھنے لگا ہے۔ یہ نقصان یہیں تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ اس نے اور بھی آگے بڑھکر سانس لی ہے۔ یعنی اس گولی اور اس یورپین ڈاکٹر کی شہرت تمام دربار میں

پھیل گئی ہے۔ پہلی بات یہ ہے۔ کہ خود بادشاہ نے اسی دن صبح اُسے سلام کہلا بھیجا۔ اور وزیر اعظم کو بلایا کہ وہ تمام علاج کی حالت بیان کرے۔ جب اس نے بیان کی تو تمام دربار میں خوب خوب شاباش دی گئی۔ پھر بادشاہ میری طرف متوجّہ ہؤا اور اُنھوں نے فرمایا۔ حکیم صاحب یہ تو فرمایئے۔ اتنی سی چیز سے کس طرح ایسا اثر ہؤا۔ اس وقت مَیں جواب دینے پر مجبور ہؤا۔ اور عرض کرنے لگا۔ حضور! مَیں نے وہ گولی اب تک نہیں دیکھی۔ لیکن ہاں مَیں اسے دیکھتے ہی بتا سکتا ہوں۔ کہ اس میں کیا کیا چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ اس وقت حضور کا غلام یہ عرض کرتا ہے کہ حضور یہ خوب غور فرما لیں۔ کہ اس کام کا کرنے والا اسلام کا دشمن ہے۔ اور اس کے دماغ میں کفر کوٹ کوٹ کر بھرا ہؤا ہے۔ اور وہ شخص جو تمام خدا کے حکم کا انکار کرے۔ اس کا کیا ٹھکانا۔ اس کہنے کے بعد مَیں نے سوچا۔ کہ مجھے یہ کس طرح

معلوم ہو کہ اس گولی میں کیا کیا چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ جو اس قیامت کا اثر رکھتی ہے۔ اگر یہ معاملہ نہ ہُوا تو بات بنی بنائی بگڑ جائیگی۔ اور عزّت کرکری ہو جانا کوئی بات ہی نہیں ہے۔ تم بڑے ہی موقع پر آئے ہو۔ تم سے اس میں مدد ملے گی۔ تم کوشش کرو۔ کہ ساری باتیں اس کے دماغ سے نکل آئیں۔ کیونکہ مجھے اس گولی کا نمونہ لینا ہے۔ اور اس کو کل بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا ہے۔ اس لئے اب تم یہ کام کرو۔ کہ تم بھی کاہو اور کھیرے کو سرکہ کے ساتھ چٹ کرکے اسی طرح بیمار بن جاؤ۔ اور یورپین ڈاکٹر کے پاس جاکر اپنی ساری حالت بیان کرو۔ وہ یقیناً تمہیں وہی گولی دیگا۔ تم اس سے وہ گولی لے کر مجھے دے دینا +

مَیں۔ میرے تو سمجھ میں آتا نہیں۔ کہ مَیں کیونکر یہ تدبیر کر سکونگا۔ اور کس طرح وہ گولی لے سکونگا +

ایسی ایسی کہانیاں یورپ والوں کی نسبت

بیان ہوئی ہیں۔ کہ میں خود حیران ہوں۔ کہ ان سے کیونکر پیش آسکتے ہیں۔ خدا کے لئے آپ اس کی بابت کچھ سکھا دیجئے۔ اور ان پہلے ملاقات کی اونچ نیچ بھی بتا دیجئے +

"میرزا احمق"۔ بیشک یہ درست ہے۔ کہ ان کی تمام باتیں ہم سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں۔ لیکن پھر بھی بعض باتیں میں تم کو بتائے دیتا ہوں۔ ان کا تمہیں خیال رکھنا چاہئے۔ ہم اپنے سروں کو منڈواتے ہیں۔ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاتے ہیں۔ یورپ والے بالکل اس کے خلاف کرتے ہیں۔ یعنی ان کی ٹھوڑی پر لبوں کا کچھ یوں ہی سا نشان باقی رہ جاتا ہے۔ اور ان کے سر پر ایسے گھنے بال ہوتے ہیں۔ گویا کہ ان کا مذہبی حکم ہے۔ کہ کبھی نہ کٹوائیں۔ وہ کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ اور ہم زمین پر۔ وہ چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہیں اور ہم ہاتھوں سے۔ وہ اِدھر اُدھر ٹہلتے رہتے ہیں اور ہم بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ موٹے کپڑے پہنتے ہیں اور ہم باریک۔ وہ بائیں جانب سے لکھتے ہیں۔ اور ہم دائیں سے بائیں

جانب۔ وہ کبھی خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ اور ہم دن میں پانچ وقت کرتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ دنیا میں یہ لوگ نہایت ناپاک ہیں۔ اس لئے کہ وہ کسی چیز کو نجس اور ناپاک ہی نہیں سمجھتے وہ سب قسم کے جانور کھاتے ہیں۔ سوٴر سے لیکر کچھوے تک کچھ بھی نہیں چھوڑتے اور بلا سوچے سمجھے سب کچھ چٹ کر جاتے ہیں۔ ہرچہ آید دھر گھسیٹ کیا کرتے ہیں۔ یہ بھی تو نہیں کرتے۔ اس کو حلال کر لیں۔ گلا کاٹ ہضم کر جاتے ہیں۔ غرض ان کی جتنی باتیں وہ ایسی ہی لغو ہیں۔ یہ کبھی نہیں کرتے کہ گرم حمام میں جائیں اور کھلی سے خوب مل مل کر نہائیں۔ نہائیں" حکیم صاحب کیا یہ ٹھیک ہے۔ کہ ان لوگوں کو غصّہ بہت آتا ہے۔ اگر کوئی ان پر شبہ ہو یا ان کو جھوٹا سمجھے تو یہ لوگ اس قدر گھبرا جاتے ہیں۔ کہ جب تک اسے ہلاک نہیں کر ڈالتے۔ چین سے نہیں بیٹھتے ؛

مرزا احمق"۔ ہاں یہ بھی ان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا مجھ پر واقع ہوا نہیں

مگر ہاں ایک بات مَیں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ کہ جب وہ تمہاری کسی چیز کی تعریف کریں۔ تو تم یہ جواب کبھی نہ دو۔ جو ہم تم آپس میں دیتے ہیں۔ جیسے کہ یہ آپ ہی کی نذر ہے۔ یہ آپ کا ہی مال ہے۔ اگر شاید اُنہوں نے وہ چیز لی لی تو بڑی دشواری ہوگی۔ یہاں تو تم نے جھوٹ موٹ پوچھا تھا۔ اور وہاں لے ہی لینگے۔ اور پھر ہرگز نہ دینگے۔ غرض اُن سے ایسی باتیں کرنا چاہئیں۔ جو ان کو اچھی معلوم ہوں۔

مُیں"۔ اگر یہی بات ہے تو مجھے تو بہت ڈر ہے بھلا جب مَیں بناوٹی بیمار بنونگا۔ اور اس سے جاکر کہونگا۔ کہ مَیں بیمار ہوں۔ تو وہ کب اسے سچ سمجھیگا۔ اور وہ مجھے بیمار سمجھ کر کب دوا دینے لگا۔ اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ کسی دوسرے کے لئے مانگتا ہے۔ اور بھی غضب ہے۔

مرزا احمق۔ نہیں نہیں تم ہی بیمار بن جاؤ۔ اور واقعی بیمار ہو جاؤ۔ بس پھر کیا جھوٹ ہوگا۔ اچھا دوست حاجی اب تم جاؤ۔ جاؤ اور بہت جلد کھیرے وغیرہ کا استعمال کرو۔ اور اسی شام کو

گولی لادو ۔

مرزا احمق نے مجھے بہت دم دلاسا دیا۔ اور روکا کہ اب کوئی اعتراض میں نہ کروں ۔ اس نے بہت مہربانی سے مجھے کمرے سے باہر کیا۔ غرض میں اس کے پاس سے روانہ ہوُا ۔ مَیں یہ بالکل نہ جانتا تھا ۔ کہ آیا کوئی اس بات پر میرا مذاق تو نہ اُڑائے گا ۔ آخر مَیں بیمار کس طرح بن سکتا تھا ۔ مَیں پھر مرزا احمق کے پاس کمرے میں واپس آیا۔ لیکن اب وہاں اس کا پتہ بھی نہ تھا ۔ معلوم ہوُا کہ وہ اپنی محل سرا میں چل دیا ۔ آخر مَیں مجبوراً واپس ہوا ۔ اب مجھے یہ فکر ہوئی کہ اپنے کام میں لگ جاؤں ۔ یہاں تک کہہ کر حاجی بابا نے قصّہ کو ختم کر دیا۔ اور لڑکے اپنے اپنے گھروں پر آکر سو گئے ۔

حاجی بابا کا اپنے مطلب میں کامیاب ہونا

دوسرے روز وہ تینوں لڑکے حاجی بابا کے یہاں آ کر جمع ہو گئے۔ اور اس نے قصہ شروع کر دیا کہ :۔

اب مجھے دھن لگی کہ جلد سے جلد ایلچی کے یہاں پہنچنا چاہئے۔ مَیں یہ خیال کرکے پوچھتا ہؤا وہاں سے روانہ ہؤا۔ مَیں نے اپنے دل میں یہ خیالی پلاؤ پکانے شروع کئے۔ کہ حکیم کا کام کس طرح بن سکتا ہے۔ پیٹ کا درد کوئی بازار کی چیز تو نہیں کہ گئے اور خرید لائے۔ وزیرِ اعظم کے پیٹ میں درد ہؤا اور کاہو اور کھیرے کے کھانے سے ہؤا وہ بڈھا اس کا معدہ ہضم نہ کر سکا۔ مَیں تو جوان ہوں کیا ضرور ہے۔ کہ میرے پیٹ میں بھی اس کے کھانے سے درد ہونے لگے۔ مَیں ان باتوں کو سوچ کر بہت گھبرا رہا تھا۔ یہ ترکیب جو مرزا احمق نے بتائی ہے۔ بالکل

بیوقوفی کی ہے۔ مَیں نے دل میں کہا۔ کہ حاجی! اگر تو نے فریب کیا۔ اور وہاں جا کر یہ کہا۔ کہ مَیں بیمار ہوں۔ اور اصل میں بیماری ویماری کا پتہ بھی نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ پہچان لے۔ اور فریبی سمجھ کر گھر سے باہر نکال دے۔ پھر یہ تدبیر دماغ میں آئی کہ اس سے جا کر یہ کہوں کہ مَیں حرم سرا کا ملازم ہوں۔ میری بیگم صاحبہ کو یہ بیماری ہو گئی ہے تو اس میں مَیں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اور وہ مجھے گولی دے دیگا۔ یہ منصوبہ مَیں دل میں گانٹھ کے بازار کی طرف چلا۔ اور وہاں جا کر ایک پُرانے کپڑے بیچنے والے دوکاندار کی دکان پر گیا۔ اور کانبوں کے پہننے کا چغہ اس سے مول لیا۔ اور بجائے کٹار کے ایک بستہ کاغذوں کا لپیٹا۔ تاکہ معلوم ہو کہ مَیں کوئی معمولی نوکر نہیں ہوں ٭

مجھ کو فوراً معلوم ہو گیا کہ ایلچی کہاں رہتا ہے۔ جو جو باتیں مرزا احمق نے مجھے بتائی تھیں۔ اُن کو مَیں اپنے دماغ میں جما کر ڈرتا ڈرتا ایلچی کے رہنے کے مقام پر پہنچا۔

دیکھا کہ بہت سی عورتیں اپنے بچوں کو گودوں میں لئے ہوئے ایک راستہ میں جمع ہیں۔ اُن سے معلوم ہؤا کہ یہ ساری عورتیں یہ سُن کر آئی ہیں۔ کہ یہاں چیچک کا بہت عمدہ علاج ہوتا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر علاج مفت کرتا تھا۔ اس لئے بیمار لوگ زیادہ آتے تھے۔ اور خاص کر غریب لوگ اس بات پر مجبور تھے۔ کہ وہ اس ڈاکٹر کا علاج کریں۔ کیونکہ دیسی حکیم کو اگر وہ بلائیں۔ تو یا تو کچھ انہیں نذرانہ دیں۔ یا پھر ان کی فیس ادا کریں۔ طبیب صاحب اس کے بغیر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔ اور نہ دوا کر سکتے ہیں +

جب مَیں اندر گیا۔ تو دیکھا کہ کمرہ کے بیچ میں ایک شخص بیٹھا ہؤا ہے۔ اس کے قریب ایک لکڑی کی میز رکھی ہوئی ہے۔ اور اس پر اس کا بکس۔ کتابیں۔ آلے۔ اوزار بہت سے چُنے ہوئے ہیں۔ جن کے استعمال کو مَیں بالکل نہ جانتا تھا۔ وہ شخص عیسائیوں کے لباس میں بیٹھا ہؤا تھا۔ اس کی ٹھوڑی اور لبیں بالکل صفا

چپٹ تھیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک ہیجڑا بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے گلے میں ایک سخت پٹی لپٹی ہوئی تھی۔ اور اسی قسم کی دوسری چیزیں اس کی گردن میں کلوں کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کو کوئی بیماری ہے۔ یا کوئی زخم لگا ہے۔ جس کو وہ چھپاتا ہے۔ اس کے کپڑے جسم میں ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ میرا دم دیکھنے ہی سے گھٹنے لگا۔ کمرے میں جو قالین بچھا ہوا تھا۔ اس پر وہ بوٹ پہننے ہوئے بیٹھا ہوا تھا۔ بس اس نے تو آدمیّت اور بھلمنسی کا خون ہی کر دیا۔ معلوم یہ ہوا کہ یہ ہماری زبان بھی بولتا ہے۔ اس نے مجھے فوراً سلام کیا۔ جو مجھے بہت اچھّا معلوم ہوا۔ مَیں نے دل میں کہا کہ اس سے کچھ اچھّی اچھّی باتیں کرنی چاہئیں۔ اور اس کی کچھ تعریف بھی کرنا چاہیئے۔ پہلے تو مَیں نے اس سے کہا۔ کہ آپ کی ایران میں بڑی شہرت ہو رہی ہے۔ بھلا لقمان کی آپ کے آگے کیا اصل ہے۔ اور آجکل حکیم تو آپ کا پانی بھرتے

ہیں۔ ان باتوں کا اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ پھر مَیں نے کہا۔ کہ خود بادشاہ سلامت نے آپ کی دوا کا اثر سنا ہے۔ اور اس کے بعد اپنے یہاں کے تاریخ لکھنے والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان واقعوں کو اپنی تاریخ میں لکھ لیں۔ کہ صرف ایک گولی نے آناً فاناً بیمار کو بالکل اچھّا کر دیا۔ آپ کی دوائی کے اثر کی خبر بادشاہ کے محلسرا میں بھی پہنچی ہے۔ اور وہاں کئی بیگمیں بیمار ہوگئیں ہیں۔ اب وہ چاہتی ہیں۔ کہ اُس گولی کا استعمال کریں۔ بادشاہ کی ایک بہت پیاری لونڈی اس وقت بہت ہی تکلیف میں ہے۔ مجھ کو بادشاہ کے حکم سے خواجہ سراؤں کے سردار نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ کہ آپ وہی گولی مجھے عنایت فرمائیں۔ خاص وہی دوا لینے کے لئے مَیں آپ کے پاس آیا ہوں +

ڈاکٹر ذرا سوچ کر بولا۔ کہ میرا یہ طریقہ نہیں ہے۔ کہ مَیں بیمار کو بے دیکھے ہوئے دوا دیدوں۔ اگر مَیں ایسا کروں تو ممکن ہے۔ کہ کوئی نقصان ہو جائے۔ اگر در اصل شاہی محلسرا میں میری

ضرورت ہے۔ تو مَیں ابھی چلنے کے لئے تیّار ہوں +

مَیں۔ ایران میں یہ قاعدہ نہیں ہے۔ کہ عورتوں کو ان کے شوہروں کے سوا کوئی دیکھے۔ اگر بہت ضرورت ہوتی ہے۔ اور حکیم کے بغیر کام ہی نہیں چلتا ہے۔ تو پھر حکیم بلایا جاتا ہے۔ مگر اس عورت کے ہاتھ پر کوئی کپڑا پڑا رہتا ہے۔ جب حکیم نبض دیکھتا ہے +

ڈاکٹر۔ اور مَیں تو صرف نبض ہی نہیں دیکھتا۔ بلکہ بیمار کی زبان بھی دیکھتا ہوں +

مَیں۔ ایران میں زبان دیکھنا بالکل ایک نئی بات ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب تک بادشاہ کا حکم نہ ہو آپ یہ ہرگز نہیں کرسکتے +

ڈاکٹر۔ بہت خوب۔ اچھّا اگر میں تم کو دوا دوں تو مَیں اس کا ذمہ نہیں لیتا۔ کہ وہ مرے یا جیئے اس کو تم جانو اور تمہارا کام +

جب مَیں نے اسے یہ یقین دلایا۔ کہ آپ پر کوئی الزام نہ دھریگا۔ تو اس نے ایک بڑا سا صندوق کھولا۔ جس میں بہت سی دوائیاں

بھری ہوئی تھیں۔ اس میں سے اس نے
ایک سفید قسم کا پوڈر لیا۔ اور اس کو ایک
روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ ملا کر ایک گولی کی
صورت میں بنا دیا۔ کاغذ میں لپیٹ کر مجھے دیا۔
اور اس کا استعمال بتا دیا۔ کہ یوں دبانا اور
یوں کرنا جب مجھے معلوم ہؤا کہ اس نے کوئی
بات مجھ سے چھپائی نہیں۔ تو پھر مَیں نے
بھی اس سے کہا۔ کہ ڈاکٹر صاحب! آپ کو خدا
کی قسم یہ تو بتائیے یہ دوا کیا ہوتی ہے۔
اور اس میں ہے کیا؟

ڈاکٹر نے نہایت سادگی سے اس کا جواب دیدیا
جوں ہی حکیم صاحب کا مطلب حاصل ہؤا
مَیں اُٹھا اور خوش خوش باہر چلا آیا۔ کہ
جلدی سے اس کے پاس پہنچ جاؤں۔ پہلے
تو مَیں نے عاریتی کپڑے اُتار کر کپڑے پہنے
پھر اوہ آہ کرتا ہؤا میں حکیم صاحب کے پاس
آیا۔ چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ اس پر ظاہر
کر دوں۔ کہ مجھے اس میں کس قدر زحمت ہوئی
ہے۔ اور اس کو جتا دوں۔ کہ کاہو وغیرہ نے

کتنا اثر کیا ہے۔ میں حکیم صاحب کے سامنے ذرا بن بن کے باتیں کر رہا تھا۔ کبھی ماتھے پر بل ڈال لیتا تھا۔ اور کبھی گالوں پر۔ اور ذرا اوہ آہ کرتے ہوئے ایسا ظاہر کر رہا تھا۔ اور درد کی ایسی نقل کر رہا تھا۔ کہ حکیم اگرچہ بڑا سخت دل تھا۔ لیکن وہ بھی پسیج گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ تجھ کو خدا کی قسم۔ ذرا تو آرام لے۔ ممکن ہے۔ کہ درد کچھ کم ہو جائے +

مَیں نے نہایت بن بن کر اوہ آہ کرتے ہوئے کہا۔ جیسا مَیں نے آپ کے حکم کو مانا ہے۔ ویسی امید ہے۔ کہ آپ کو اس کا پھل بھی مجھے میٹھا ہی دینگے۔ وہ اس کوشش میں لگا ہوا تھا۔ کہ مفت مطلب حاصل ہو جائے۔ اور مَیں اس کوشش میں تھا۔ کہ کچھ اینٹھ لیا جائے۔ آخر کار مَیں نے کہہ ہی دیا کہ زبردستی کرنا یا رونا پیٹنا تو بیکار ہے۔ اس کے لئے تو پیسے کی ضرورت ہے۔ پھر بھی مَیں نے دیکھا۔ کہ لڑ چڑا پن کرتا ہے۔ کچھ دینے میں سختی

کر رہا ہے۔ مَیں نے صاف صاف کہدیا۔ کہ اگر آپ جو کچھ مَیں چاہتا ہوں نہ دیجئے گا۔ تو مَیں گولی ابھی نگلے جاتا ہوں۔ حکیم اب تو دراڑھرے پر آگیا۔ اور جلدی سے میرے ہاتھ پر ایک اشرفی رکھ دی +

کوئی شخص کسی عمدہ چیز کے لئے اتنا آہ وزاری نہیں کرتا ہے۔ جتنی اس نے گولی خاطر کی۔ مَیں نے چاہا کسی حیلہ سے اور کچھ لے لوں۔ دیکھا حکیم میرے دل کے درد کے علاج کے لئے دوائیاں لا رہا ہے۔ مَیں نے درد کو کم کیا۔ اور گولی اسے دیدی +

اُس نے وہ گولی بہت غور سے دیکھی۔ بہت دیر تک ہتھیلی پر پرڑھکاتا رہا۔ لیکن مجھے یقین ہے۔ کہ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ اس نے بہت دلیل و قیاس سے کام لیا۔ کہ اس کی اصلیّت جانے۔ مگر نہ جان سکا +

ولیم۔ قیاس کسے کہتے ہیں +

حاجی بابا۔ قیاس کہتے ہیں۔ دو چیزوں کے درمیان اندازہ کرنا اور سوچ سمجھ کر ایک چیز کو

دوسری چیز کے برابر کر دینا۔
تو پھر میں نے کہا۔ حکیم صاحب۔ بیکار میں زحمت نہ کیجیئے۔ ڈاکٹر نے مجھ سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ دوا پارہ سے بنائی گئی ہے۔

میرزا احمق۔ کیا خوب۔ تو یہ کہئے پارہ سے مرکّب ہے۔ جیسے کہ میں جانتا ہی نہیں۔ ہاں ہاں یہ حرامزادہ انگریز چاہتا ہے۔ کہ پارہ سے ہماری نسل تباہ کر دے۔ نزدیک ہے۔ کہ ہماری شہرت کو تمام اور ہماری حکیمی کو مسخرا پن کا آلہ بنائے۔ خوب! کبھی تم نے بھی سنا ہے۔ کہ پارہ دور ہوتا ہے۔ اور وہ بھی پارہ سرد۔ ککڑی کھیرے سرد۔ کاہو سرد۔ کوئی برف کو برف سے پگھلا سکتا ہے۔ کہ پارہ ککڑی کھیرے اور کاہو کی سردی کو دور کر دے۔ یہ گدھا تو طب کے علم کی ابتدائی باتیں بھی تو نہیں جانتا۔ نہیں۔ حاجی نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم اپنی آنکھیں بند کرکے لوگوں کو اپنے

اوپر ہنسائیں +

پھر کیا تھا۔ اس نے اپنی ڈاڑھی کھسوٹ کھسوٹ کے پھینکنا شروع کر دی۔ اور ہزاروں گالیاں اور بُرا بھلا کہنے لگا۔ اسے پورا گمان تھا۔ کہ قیامت تک اس انگریز کو بادشاہ تک پہنچنے نہ دیگا۔ رات کی ٹوپی تو سر سے اور چغہ کو بدن سے اتار کر گولی اٹھائی۔ کسی امید میں لیکن ڈرتا ہؤا جلدی سے چل دیا +

یہاں تک یہ قصہ ہؤا تھا۔ کہ لڑکوں کے سونے کا وقت آگیا۔ اور وہ اونگھنے لگے۔ حاجی بابا نے قصّہ کو تمام کیا۔ اور یہ لڑکے اُٹھ کر سیدھے گھر پہنچے۔ کھانا کھایا اور پڑ کر سو رہے +

ڈاکٹر کی دوا کی حالت دربار میں

دوسرے دن یہ لڑکے حاجی بابا کے یہاں شام کو جمع ہوگئے۔ اور اُس نے یوں قصہ شروع کردیا:

حکیم شام کے قریب گھر پلٹا اور مجھے بہت تلاش کر کے بلایا۔ جوں ہی میں اندر گیا۔ اس نے اور لوگوں کو باہر کردیا۔ اور مجھے آگے بلا کر میرے کان میں کہا۔ کہ حاجی ایک تدبیر کرو۔ کہ یہ ڈاکٹر یہاں سے نکال دیا جائے۔ تمہیں کچھ معلوم بھی ہے۔ کہ کیا ہوا۔ آج بادشاہ نے چپکے سے ڈاکٹر کو اپنے پاس بلایا اور ایک گھنٹہ تک اس سے باتیں کرتا رہا۔ مجھے بلایا تھا۔ کہ وہ باتیں مجھ سے بیان کرے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس ڈاکٹر کا اعتبار بہت بڑھ گیا ہے۔ بادشاہ نے کمزوری اور دم پھولنے اور بدہضمی کی نسبت اس سے گفتگو کی تھی۔ وہ اُس حرامزادے کی بہت تعریف کر رہے تھے۔

اس نے زبان دیکھ کر نہ معلوم کس طرح سب کچھ بتا دیا۔ جو بیمار کو دیکھ کر بتایا جا سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ بادشاہ روز بتاتے ہیں۔ اور صبح اُٹھ کر حقہ کا زہر دور کرنے کے لئے بہت سی کھٹی میٹھی چیزیں کھاتے ہیں ۔ اس لئے یہ باتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا ہے۔ کہ وہ تین روز بیماری کے متعلق سوچے اور یورپ کے ڈاکٹروں کی کتابوں کو غور کے ساتھ دیکھئے۔ پھر ایسا ہی معجون بنا لے کہ بادشاہ کو پھر جوانی کا لطف آنے لگے +

ولیم۔ معجون کسے کہتے ہیں ؟

حاجی بابا۔ حکیم لوگ اس دوا کو کہتے ہیں۔ جو چند دوائیں چھان کر شہد یا قوام سے ملا کر بنائی جاتی ہے۔ خواہ وہ میٹھی ہو یا کڑوی۔ بخلاف جوارش کے جس کو خوش مزہ ہونا چاہئے +

اختر۔ جی۔ تو پھر حکیم نے کیا بیان کیا ؟

حاجی بابا۔ حکیم نے کہا کہ بادشاہ سلامت نے انگریزوں کی بابت بہت کچھ باتیں پوچھیں اور

مجھ سے صاف صاف جواب مانگا۔ میں اس موقع کو کب ہاتھ سے دینے والا تھا۔ جو کچھ کہنا چاہئے تھا۔ سب کہہ دیا۔ کہ حضور انگریزوں کی طبیعتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ یہ قوم نجس اور کافر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ہمارے دین کو جھٹلاتے اور ہمارے مذہب پر ہنستے ہیں۔ کھلم کھلا شراب پیتے ہیں۔ سؤر کھاتے ہیں۔ عورتوں کی سی صورت ہوتی ہے۔ اور رئیسوں کی سی عادت۔ ان لوگوں سے ڈرنا چاہئے۔ ان کو بس یہی فکر رہتی ہے۔ کہ دوسروں کا ملک کس طرح لے لیا جائے۔ جیساکہ آج کل ہندوستان کو دیکھ کر معلوم ہو سکتا ہے +

ولیم۔ ہندوستان کو اگر انگریزوں نے لے لیا تو کیا اس سے کوئی نقصان ہوا +

حاجی بابا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ فائدہ ہی ہوا +

ولیم۔ تو انگریزوں کی حکومت سے ہندوستان کو کیا کیا فائدے پہنچے +

حاجی بابا۔ بادشاہ کا سب سے بڑا فرض ہے۔ کہ

وہ اپنی رعایا کو آرام پہنچائے۔ تم دیکھتے ہو۔ کہ ہمارے آرام کے لئے انگریزوں نے کیا کیا انتظام کئے ہیں۔ کہ بھیڑیا بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں +

ولیم۔ اچھا یہ تو فرمائیے کہ انگریزوں نے ہندوستان میں کیا کیا انتظام کئے ہیں +

حاجی بابا۔ مَیں تم کو ابھی بتاتا ہوں۔ کہ ایک ایک صوبہ کا انتظام یہاں کس طرح ہوتا ہے۔ لیکن پہلے یہ سن لو کہ ہندوؤں اور مغلوں کے زمانہ میں یہاں کا انتظام کس طرح ہوتا تھا۔ کیونکہ ان سلطنتوں کو انگریزی ملک کے سامنے صوبہ ہی سمجھنا چاہئے۔ ان کی مرکزی حکومت کا ان صوبوں پر بہت کم اثر ہوتا تھا۔ اور اصل میں ہر ایک صوبہ ایک الگ سلطنت ہوتا تھا +

پُرانی ہندو سلطنتوں میں حکومت کا سب سے بڑا شخص راجہ ہوتا تھا۔ ہر طرح کا اختیار اس کو حاصل تھا۔ اگر وہ نیک اور قابل ہوتا تھا تو اس کی رعایا بھی خوش رہتی تھی۔ اور اگر

بُرا اور نالائق ہوتا تھا۔ تو اس کی رعایا مصیبت میں گرفتار رہتی تھی۔ عام طور سے ہر ہندو راجہ کے یہاں برہمنوں کی ایک جماعت مشورہ دینے کے لئے رہتی تھی۔ جس کو اب کونسل کہتے ہیں۔ یہ لوگ سلطنت کی ہر بات کی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے۔ اور بادشاہ کو رائے دیتے تھے۔ کہ حکم یوں صادر کئے جائیں۔ لیکن راجہ کو یہ بھی اختیار تھا۔ کہ چاہے کسی کی رائے کو مانے یا نہ مانے۔ بڑے بڑے شہروں اور ضلعوں میں راجہ کی طرف سے سلطنت کے انتظام کے لئے حاکم مقرر ہوتے تھے۔ اشوک ایک ہندو راجہ ہوا ہے۔ اس نے حاکم کی دیکھ بھال کے لئے انسپکٹر بھی مقرر تھے۔ یہ راجہ بہت فوجیں رکھتے تھے۔ تاکہ اگر کوئی باہر سے ملک پر حملہ کرے۔ تو ان کو ان فوجوں کے ذریعہ سے روکا جا سکے۔ اور ملک کے انتظام کے لئے ایک عجیب طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی قسم کا جرم کر کے بھاگ جائے۔ اور اس کا پتہ نہ لگے۔ تو وہاں کے افسر کو اس کی سزا دی جاتی تھی۔

انصاف کرنے کے لئے قاعدہ قانون بنائے گئے تھے۔ اور خود راجہ اپنے برہمنوں کی مدد سے راجدھانی میں نیاؤ کرتا تھا۔ اور ضلعوں میں اس کے افسر یہی کام کیا کرتے تھے۔ لیکن جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا۔ اور کوئی بحث کی بات پیدا ہوتی۔ تو برہمن قانون کو سمجھاتے اور مجرم کے متعلق صلاح و مشورہ دیتے۔ اور اس طرح فیصلہ کیا جاتا +

پُرانے زمانہ کے راجہ عمارتوں کے بہت شوقین تھے۔ بہت سے راجاؤں نے تو صرف اپنے لئے محل بنوائے۔ لیکن بعضوں نے مندر۔ نہریں۔ سڑکیں اور پُل دوسروں کے آرام کے لئے بنوائے۔ بدھوں کے زمانہ میں لوگوں کی تعلیم اور صحت کی حفاظت کے لئے بھی انتظام کیا گیا۔ یہ راجہ عالموں کی بہت مدد کرتے تھے۔ اور بعض بڑے بڑے لوگوں نے اِن کے درباروں میں رہ کر عمدہ عمدہ کتابیں لکھی ہیں +

سلطنت کی آمدنی زیادہ تر زمین اور تجارتی

ٹیکسوں سے تھی۔ ہندوؤں کے مذہب سے پیداوار کا چھٹا حصّہ راجہ کا حق سمجھا جاتا تھا۔ لیکن راجہ اس سے زیادہ ہی لے لیتے تھے۔ اکثر ان کا حصّہ آدھا ہو جاتا تھا۔ جب تک یہ قاعدہ رہا کہ جو کچھ پیدا ہو اس میں سے بانٹ دیا جائے۔ اُس وقت تک زیادہ ظلم نہ ہوتے تھے۔ لیکن نقد لگان ہوتے ہی ظلموں کے پہاڑ پھٹ پڑے۔

چندر گپت کے زمانہ میں ہندوستان میں ایسی ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) سلطنتیں تھیں۔ جن لوگوں نے سنہ ۱۷ء اور سنہ ۱۸۰۰ء میں یہاں کی سیر کی ہے۔ اُنہوں نے لکھا ہے۔ کہ ہمیں زیادہ تر راجہ خراب ہی ملے۔ یہ سلطنتیں باہر کے حملوں کو روک نہ سکتی تھیں۔ قانون بے انصافی کے تھے۔ فوجی لوگوں اور برہمنوں کے ساتھ خاص رعایت تھی۔ کھانے۔ پینے۔ کپڑے اور مذہب کے لئے بھی قانون تھا۔ کسی شخص کو آزادی نہ تھی۔ راجہ اتنی قیمتی قیمتی چیزیں ایک دوسرے کو دے دیتے تھے۔ کہ آج کل لوگوں کو ان کا

ذکر سُن کر تعجب ہوتا ہے +

مغلوں کے بادشاہ بھی جو چاہتے تھے۔کرتے تھے۔کوئی روک تھام نہ تھی۔بادشاہ وزیروں کو مقرر کرتا تھا۔جو الگ الگ محکموں کا انتظام کرتے تھے۔یہ سب وزیر وزیر اعظم کے ماتحت ہوتے تھے۔ ملک کو صوبوں میں تقسیم کر کے ہر صوبہ میں گورنر مقرر ہوتا تھا۔ ہندو راجاؤں کا ملک جیت کر انہیں کو سونپ دیا جاتا تھا۔صرف بادشاہ ان کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔وزیروں اور راجاؤں کے علاوہ اور بہت سے افسر سلطنت کا کام کیا کرتے تھے +

مغلوں کے زمانہ میں جب کوئی طاقتور بادشاہ ہوتا تھا۔تو راجہ اور گورنر اس کو بہت مانتے تھے۔لیکن اگر کوئی کمزور بادشاہ ہوتا تھا۔تو ملک میں فساد کی آگ بھڑک اُٹھتی تھی۔اور گورنر اور راجہ خود اپنے آپ کو راجہ تسلیم کرانا چاہتے تھے +

شہروں میں جان و مال کی رکھوالی کے لئے پولس کا انتظام تھا۔اور گاؤں میں پولس کا انتظام۔ہندو راجاؤں کے زمانہ کے موافق ہی چلا آتا تھا۔شہروں کو کئی حصّوں

میں تقسیم کر کے ایک محتسب مقرر کیا جاتا تھا۔ اور ان سب پر شہر کا کوتوال کام کرتا تھا۔ رات کے وقت پہرہ کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اور جرم کرنے والوں کے نہ ملنے سے افسروں کو چوری وغیرہ ہو جانے کا ذمہ دار ٹھرایا جاتا تھا۔ بدمعاشوں اور خطرناک آدمیوں کی تاک جھانک کرنے کے لئے خفیہ پولیس کام کرتی تھی۔ جو بڑے افسروں سے خود خط و کتابت کر سکتی تھی۔ لیکن سرطاس منروتے لکھتا ہے۔ کہ اس انتظام سے رعایا کو کچھ زیادہ فائدہ نہ تھا۔ کیونکہ مرکزی حکومت زیادہ تر کمزور ہوتی تھی اور اور افسر ملزموں سے کچھ لے کر اُن کو چھوڑ دیتے تھے۔

انتظام کے لئے دو طرح کی عدالتیں قائم تھیں۔ ایک مسلمانوں کے لئے اور دوسری ہندوؤں کے لئے۔ اگرچہ لوگوں کو بادشاہ کے پاس اپیل کا حق تھا۔ لیکن غریب آدمیوں کو اپنی مفلسی کی وجہ سے یہ موقع کبھی نہ ملتا تھا۔ اور ماتحت عدالتیں بہت سی رکاوٹیں اس میں پیدا کر دیتی تھیں۔

مغل بادشاہوں کو عمدہ عمدہ عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اکبر و شاہجہان کے زمانہ میں نہروں اور سڑکوں کے بنانے کی طرف بھی توجہ کی گئی +

تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ہندو لڑکے اپنے یہاں تعلیم پاتے تھے۔ اور مسلمان اپنے یہاں۔ مسلمانوں کے مدرسوں کو کچھ سرکاری مدد ملتی تھی۔ ہندو راجاؤں کی طرح مغل بادشاہ بھی عالموں کی بہت قدر کرتے تھے۔ اور ان کے درباروں میں عالم و فاضل ہمیشہ جمع رہتے تھے +

حکومت اپنے خرچ کے لئے لگان اور تجارت کے محصول سے روپیہ لیتی تھی۔ اکبر کے زمانہ میں پیداوار کا ⅓ حصّہ لگان میں لے لیا جاتا تھا۔ لیکن انتظام ایسا عمدہ تھا۔ کہ لوگوں کو اس کی شکایت نہ ہوتی تھی۔ لیکن اور بادشاہوں کے زمانہ میں کاشتکاروں کی حالت بہت خراب ہوگئی۔ کیونکہ بادشاہ کی طرف سے صوبوں میں ایسے حاکم مقرّر کئے جاتے تھے۔ جو زیادہ سے

زیادہ روپیہ کاشتکاروں سے وصول کرسکیں +
آجکل صوبہ کی حکومت کو پوری بادشاہت سمجھو۔ اس کا کام بہت سے محکموں میں تقسیم ہوتا ہے۔ جس کے کام کرنے کے لئے بہت سے اہلکار مقرر ہوتے ہیں۔ جسے سکرٹیریریٹ (گورنر صاحب کا منشی خانہ) کہتے ہیں۔ محکموں کے انتظام کے لئے وزیر اور کونسل کے ممبر مقرر ہوتے ہیں۔ جن کی مدد کے لئے بہت سے افسر اور منشی ہوتے ہیں۔ ان سب کے اوپر ایک سکرٹری ہوتا ہے +
تمہارے صوبہ کی انتظامیہ کونسل میں تین ممبر اور دو وزیر ہیں۔ ریفارم ایکٹ کی رو سے دونوں وزیر اور ممبر ہندوستان کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ محکموں کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک محکمہ جات مفوضہ اور دوسرے محکمہ جات خاص محکمہ جات مفوضہ کا کام ہندوستانی وزیروں کے پاس ہے۔ ان میں تعلیم کا محکمہ محکمہ زراعت۔ حفظان صحت۔ آبکاری۔ صنعت و حرفت۔ جنگلات۔ لوکل سلف گورنمنٹ شامل ہے۔ باقی محکموں کا انتظام گورنر اور ان کی انتظامیہ کونسل کے ممبر کرتے ہیں۔ وزیر گورنر صاحب کو

دوسرے محکمہ کے متعلق بھی مشورہ دے سکتے ہیں۔ بحث کے بعد کونسل کے ممبر اور وزیر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ آخری فیصلہ کا ذمہ وار کون ہے *

اوپر کے انتظام سے ظاہر ہے۔ کہ ملک کے انتظام میں ہماری رائیں بھی شامل ہیں۔ کیونکہ محکمہ جات مفوضہ کے وزیر ہماری قانون کی کونسل کے انتخاب کئے ہوئے ممبروں میں سے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور اپنے کاموں کے ذمہ وار ہیں۔ وزیر اور کونسل کے ممبر ایک ہی رتبہ رکھتے ہیں۔ اور برابر تنخواہ پاتے ہیں۔ اگر گورنر صاحب کسی کے کام کو ناپسند کریں۔ تو اس سے استعفا لے سکتے ہیں۔ اور اگر نیا وزیر بھی گورنر صاحب سے اس بارہ میں مخالفت کرے۔ اور کونسل بھی اس کی طرف ہو۔ اور انتخاب کئے ہوئے ممبروں میں سے کوئی وزیر بننے پر تیّار نہ ہو تو ایسی حالت میں گورنر صاحب کو تمام کونسل کے برخاست کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور جب تک پھر سے انتخاب ہو کر نئی کونسل

نہ بنے۔ وہ خود محکمہ جات مفوضہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ اگر نئی کونسل میں انتخاب کے بعد وہی پُرانے ممبر پھر داخل ہوں۔ اور وہی وزیر منتخب کئے جائیں۔ تو پھر گورنر صاحب اس رائے کو تسلیم کرینگے۔ جس پر جھگڑا ہو چکا ہے +

سنہ ۱۹۲۰ء سے پہلے ہندوستان کے تین احاطے تھے۔ بمبئی ۔ مدراس ۔ بنگال۔ جس پر ایک گورنر حکومت کرتا تھا۔ اور انتظامیہ کونسل اور قانونی کونسل اس کی مدد کرتی تھی۔ پنجاب۔ اُڑیسہ۔ اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ اور بہار ۔ برما پر لفٹنٹ گورنر حکومت کرتے تھے۔ اور ان میں انتظامیہ کونسلیں تھیں۔ دہلی۔ آسام۔ وسط ہند۔ برار اور صوبہ شمال مغربی سرحدی پر چیف کمشنروں کی حکومت تھی۔ بلوچستان۔ اجمیر۔ کورگ اور جزائر انڈمان پر گورنر جنرل اپنے ایجنٹوں کی معرفت حکومت کرتے تھے۔ لیکن سنہ ۱۹۱۹ء کے ایکٹ کی رو سے مذکورہ بالا صوبوں کے مرتبے اور اختیارات میں زیادتی کردی

گئی ہے۔ اور اب آٹھ صوبوں پر یعنی بمبئی۔ بنگال۔ مدراس۔ اضلاع متحدہ۔ پنجاب۔ بہار و اڑیسہ۔ وسطی صوبے اور آسام پر گورنروں کی حکومت قائم کی گئی ہے۔ جن کی مدد کو انتظامیہ کونسلیں اور وزیر دئے گئے ہیں۔ انتظامیہ کونسل میں زیادہ سے زیادہ چار ممبر ہو سکتے ہیں۔ چھوٹے صوبوں میں ممبروں کی تعداد دو تک ہو گی۔ جن میں سے ایک ہندوستانی غیر سرکاری آدمی ہو گا۔ برما کا انتظام اس زمانہ میں ایک لفٹنٹ گورنر کر رہا ہے۔ اور اُس کی حکومت کی اصلاح کا معاملہ پارلیمنٹ میں پیش ہے۔ کورگ کا انتظام ریاست میسور کے ریزیڈنٹ کے سپرد ہے۔ باقی صوبوں کا انتظام پہلے کی طرح ہے +

بنگال۔ مدراس اور بمبئی احاطہ کی حکومتوں کو زیادہ حق ملے ہوئے ہیں۔ ان کے گورنر انگلینڈ سے مقرر ہو کر آتے ہیں۔ اور وہاں کے امیروں میں سے ہوتے ہیں۔ وہ براہ راست وزیر ہند سے خط و کتابت کر سکتے ہیں۔ وہ بغیر وائسرائے کی منظوری کے اپنی قانونی کونسلوں کے ممبر مقرر کر سکتے ہیں۔ وہ دوسرے صوبوں کے گورنروں سے زیادہ تنخواہ

پاتے ہیں۔ ان پر پادشاہ کی طرف سے زیادہ نگرانی نہیں ہوتی۔ دوسرے صوبوں کے گورنروں کو بادشاہ سلامت گورنر جنرل کے مشورہ سے مقرر کرتے ہیں۔ ان کو تنخواہ بھی کم ملتی ہے۔ اور ہندوستان کی سول اُس سے مقرر ہوتے ہیں۔ اس طرح ہندوستان کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ اس سے رعایا کو کس قدر فائدہ اور آرام ہوگا۔

ولیم۔ ہاں۔ بیشک۔ اس میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے۔

اختر۔ اچھا۔ اب قصہ کہیئے۔ آج اس میں وقت بہت صرف ہو گیا۔

حاجی بابا۔ ہاں تو قصّہ کہاں سے چھوڑ گیا ہے۔

اختر۔ حکیم ڈاکٹر کی برائیاں کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ کہ انگریزوں کو ہر وقت یہ فکر رہتی ہے۔ کہ کس طرح دوسروں کے ملک پر قبضہ کر لیں۔

حاجی بابا۔ پھر حکیم نے مجھ سے کہا کیا۔ کہ مَیں نے کہا خدا بادشاہ سلامت کو زندہ اور ساری بلاؤں سے بچائے ہوئے رکھے۔ خصوصاً ان بے ایمانوں کی دواؤں سے۔ ان کی دوا اسی قدر طبیعت میں فساد کرتی ہے۔ جیسے ان کی بیہودگیاں ملک میں۔

پھر مَیں نے وہ گولی جیب سے نکالکر دکھائی کہ یہ ہے۔ جس کو ہم کسی کو مار ڈالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہم کو شفا کے لئے دیتے ہیں۔ ان کی دواؤں میں زیادہ تر پارہ ہوتا ہے۔ مَیں نے یہ ساری باتیں اس طرح کہیں کہ بادشاہ نے عہد کر لیا کہ بے مشورہ اور استخارہ کے ڈاکٹر کی کوئی دوا استعمال نہ کرینگے۔ اور جب تک ہم سے دوا کی نسبت رائے نہ لینگے نہ کھائینگے +

کرشن۔ استخارہ کے کیا معنی ہیں؟

حاجی بابا۔ اس کے معنے ہیں نیکی چاہنا۔ شیعہ مذہب میں جب کوئی ایسی بات آ جاتی ہے۔ جس میں عقل پریشان ہو جاتی ہے۔ اور یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ تو تسبیح لے کر پہلے تین بار الہم صلے علی محمدٍ و آل محمدٍ پڑھکے استخیر اللہ ترجمہ خیرتاً فی عافیہ تین بار پڑھتے ہیں۔ پھر تین بار درود پہلے والا پڑھ کے تسبیح کے دانوں پر ہاتھ مارتے ہیں۔ اور پھر ان کو آخر تک گنتے ہیں۔ اگر دو باقی رہتے ہیں۔ تو اس کو منع سمجھتے ہیں۔ اور ایک رہے تو اس کو اجازت سمجھتے ہیں۔ اور اس

استخارہ سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ خدا کا یہی حکم ہے۔
اختر۔ ہاں پھر حکیم نے آپ سے کیا کہا؟
حاجی بابا۔ حکیم نے مجھ سے کہا کہ حاجی! اب چاہئے یہ کہ بادشاہ اس حرامزادے کی دواؤں کو ہاتھ نہ لگائے۔ کیونکہ اگر کبھی اس کی دوا سے کوئی فائدہ ہو گیا۔ تو پھر میرا کام تمام کر دیا جائیگا۔ اور پھر کوئی ہمیں پوچھے گا بھی نہیں۔ خدا کی قسم حاجی! اگر اس کی ساری دوا مجھے کھلا دی جائے۔ تو مَیں کھا جاؤنگا۔ لیکن بادشاہ کو نہ کھانے دونگا۔

بات اس پر ختم ہوئی کہ ڈاکٹر کی دوا فائدہ نہ کرنے پائے۔ تین روز کے بعد مرزا احمق کو بادشاہ نے بلایا۔ کہ ایسے ڈاکٹر کی دوا دکھائی جائے۔ یہ دوائیں گولیاں تھیں۔ جو ایک ڈبہ میں بھری ہوئی تھیں۔ حکیم نے خوب خوب اس پہ اعتراض کیے۔ اور خوب برا بھلا کہا۔ اور غیر لوگوں کی دوا استعمال کرنے کے بارہ میں بہت سی فضول دلیلیں لایا۔ اور ایسا ایسا کہا کہ بادشاہ نے کہا۔ کہ اس بارہ میں مشورہ کرنے کے لئے ایک جلسہ کیا جائے۔

دوسرے روز دربار عام میں بادشاہ تخت پر بیٹھا

ہوا تھا۔ اور وزیر اعظم فارین منسٹر۔ خزانچی ریاست دبیر الممالک۔ متوفی الممالک۔ صاحب الدولہ۔ داروغہ اصطبل۔ ناظر دربار شاہی۔ افسر الاطبا۔ اور تمام ریاست کے لوگ جمع تھے۔ بادشاہ وزیر اعظم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ کہ ہم نے ڈاکٹر سے اپنی تندرستی کی نسبت مشورہ کیا تھا۔ پہلے تو اس نے میری تندرستی خراب بتائی۔ اور کہا کہ بدن میں کمزوری زیادہ ہو گئی ہے۔ اس کے بعد اُس نے کہا کہ ہم نے تین روز میں خوب کتابیں دیکھی ہیں۔ اور سارے یورپ کے ڈاکٹروں کی رایوں پر غور کیا ہے۔ اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر ایک معجون بنائی ہے۔ جو ہر طرح سے فائدہ دیگی۔ اور جس کی تاثیر دیکھ کر لوگ حیران رہ جائینگے÷

اس کے بعد بادشاہ نے فرمایا کہ مَیں نے ان باتوں پر سوچنے کے لئے حکیم صاحب سے کہا تھا۔ اُنہوں نے سلطنت کی خیر خواہی کی وجہ سے اس سے اختلاف کیا۔ اور بہت سے اعتراض کئے ہیں÷

اوّل تو یہ جاننا چاہئے۔ کہ آیا یہ ملکی معاملات میں تو گڑبڑ پیدا کریگی۔ کہ دوسری سلطنتوں کے لوگ

بادشاہ کے نجی معاملوں میں دخل دینے لگیں +
دوم۔ اس مضمون کے اعتبار سے کہ" لیس فی الحرام شفاء والنجس لیس بدواء آیا اس ڈاکٹر کی دوا سے شفا ہونا تصور کیا جا سکتا ہے +
کرشن۔ اس عربی عبارت کے کیا معنی ہیں ؟
حاجی بابا۔ اس کے معنی ہیں۔ کہ حرام میں شفا نہیں۔ اور نجس چیز دوا نہیں ہو سکتی +
اختر۔ ہاں پھر ؟
حاجی بابا۔ تو حکیم نے کہا کہ تیسرے یہ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ گولی زہریلی دواؤں سے بنی ہو۔ اور بجائے فائدہ کے بادشاہ کے مزاج میں آہستہ آہستہ خرابی پیدا کرے اور آخر میں بادشاہ کی زندگی کو تمام کردے +
پھر بادشاہ نے کہا کہ ہماری یہ رائے ہے کہ پہلے استعمال کرنے کے لئے مشورہ کریں۔ تاکہ سب لوگ اپنی اپنی سمجھ کے موافق جواب دیں۔ اور اس کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ میری رائے یہ ہے۔ کہ ہمارے یہاں کا ہر شخص دوا کو استعمال کرے۔ اور ان کے ساتھ مَیں بھی کھاؤں۔ تاکہ

اگر وہ اچھی اور فائدہ مند چیز ہے تو سب اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ اور اگر ضرر پہنچانے والی ہے۔ تو سب اس میں آ جائیں۔ اور اس سے رنجیدہ نہ ہوں ٭

جو لوگ وہاں حاضر تھے۔ سب نے اس بات کو مناسب خیال کیا۔ اور کہا کہ خدا ہمارے بادشاہ کے سایہ کو ہمیشہ ہمارے سر پر رکھے۔ ہماری اطاعت یہی نہیں کہ ہم ایک گولی ہی کھائیں۔ بلکہ اگر بادشاہ حکم دے۔ تو زہر بھی کھا لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ خدا ہمارے بادشاہ کو ہمیشہ زندہ رکھے اور اس کے دشمن ہمیشہ مصیبت و تکلیف میں گرفتار رہیں ٭

پھر بادشاہ نے خواجہ سراؤں کے افسر کو حکم دیا کہ اندر سے گولیوں کا ڈبہ لے آے۔ ڈبہ لایا گیا۔ بادشاہ نے حکیم کو حکم دیا۔ کہ سب کو ایک ایک گولی نگلوا دے۔ گولیوں کے کھلا دینے کے بعد شربت آیا۔ پھر سب نے آرام کیا۔ جب سب لوگ آرام کر رہے تھے۔ تو بادشاہ ہر ایک کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو سب لوگ فکر مند سے ہو گئے۔ پھر کچھ ماتھے کے بل کھلے۔ بادشاہ نے

کچھ اِدھر اُدھر کے سوال کئے۔ اور ان لوگوں نے بھی اچھّے خاصے اس کے جواب دئے۔ پھر آہستہ آہستہ دوا تاثیر کرنے لگی۔ معیر الممالک موٹا تازہ آدمی تھا۔ بار بار آپ ہی آپ سوال کرتا تھا۔ ہاں ہاں قربان ہو جاؤں کہتا جاتا تھا۔ اُس نے سب سے زیادہ اثر لیا تھا۔ اور ان کا مزاج بہت بگڑ گیا تھا۔ سب اس کو دیکھنے لگے منوفی الممالک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ بہت کمزور۔ چہرہ زرد اس کو پسینہ کثرت سے آنے لگا +

خلاصہ یہ کہ ہر ایک کے مزاج میں دوا نے تاثیر کی۔ اور ہر شخص بے وقوف ہو گیا۔ سوائے وزیر اعظم کے۔ یہ شخص ٹھینگنا اور بڈہا تھا۔ اور یہ سب کی پریشانی سے بہت خوش تھا۔ اور چپکے چپکے ہنس رہا تھا۔ اور آوازے کس رہا تھا۔ جب بادشاہ نے یہ ساری حالت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ تو جلسہ برخاست ہوا۔ اور مرزا احمق کو حکم ہوا + کہ تم ان گولیوں کو اچھّی طرح دیکھ کر اور سمجھ کر ایک رپورٹ پیش کرو۔ یہ کہہ کر وہ پھر اپنے محل میں چلا گیا +

حکیم نے بادشاہ کے سامنے ایسی ایسی باتیں کیں وہ وہ بُرے اثر دوا کے بیان کئے۔ کہ بادشاہ کو ان دوائیوں سے نفرت ہو گئی۔ اور اس نے عہد کر لیا۔ کہ آئندہ کبھی باہر کے لوگوں کی دوا نہ استعمال کرینگے ؛

جب مَیں دوبارہ اس سے ملا۔ تو وہ مجھے ایسا خوش و خورم دکھائی دیتا تھا۔ کہ تو بہ ہی بھلی۔ چہرہ سے ٹپا ٹپ بشاشت برس رہی تھی۔ اس نے پہلے والی ساری باتیں تو مجھے کہہ دیں تھیں۔ آج مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا۔ کہ دوست حاجی! ہم نے اس کافر کو زیر کر لیا۔ اس نے ہمیں تو بے وقوف ہی سمجھا تھا۔ لیکن ہم نے اسے بتا دیا۔ کہ ایرانی کیا چیز ہیں۔ بادشاہ ایران اس کی عزّت کرے۔ نہیں یہ ساری عزّت میرے لئے ہو سکتی ہے۔ ہم نئی باتوں کو کیا چولھے میں ڈالیں گے۔ ہمارے باپ دادا اسی طب کو اچھّا سمجھتے رہے اور کرتے رہے۔ جن دوائیوں سے ہمارے بزرگوں کو شفا ہوئی ہے۔ وہی ہم کو اچھّا

کرینگی - جو باتیں ابو علی سینا اور امان کہہ گئے ہیں - ہمیں ان پر اطمینان رکھنا چاہیئے - اور ان کی پیروی کرنا چاہیئے - پھر مجھے یہ کہہ کر رخصت کیا - کہ اگر نیا ڈاکٹر دربار میں پہنچ جائے - تو ہمیں چاہیئے کہ ایسی تدبیریں کرو - کہ اس کے تمام کاموں پر پانی پھر جائے جس سے میری ناموری ہو +

یہاں تک کہہ کر حاجی بابا چپ ہو گئے - کیونکہ آج اور دنوں سے زیادہ دیر ہو گئی تھی - اس لئے داستان ختم کی گئی - اور تینوں لڑکے اُٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے +

حصّۂ چہارم

حاجی بابا کا حکیم سے تنخواہ مانگنا

دوسرے دن حاجی بابا نے یوں قصّہ شروع کیا۔
اب میں حکیم کے ساتھ دوستوں کی طرح رہنے لگا۔ یہ کسی کو شبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ کہ میں اس کا نوکر ہوں۔ کیونکہ حکیم نے مجھسے کہہ دیا تھا۔ کہ ہر وقت میرے پاس بیٹھا رہا کر۔ میرے ساتھ کھانا کھایا کر۔ میرا حقّہ پیا کر۔ اُنہیں دنوں میں اس کے ملازموں کے ساتھ بھی اُٹھتا بیٹھتا تھا۔ ان کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ حقّہ پیتا تھا۔ غرض سب کچھ ہوتا تھا۔ ایک دن میں نے سوچا کہ حاجی روٹیوں پر پڑے رہنا۔ اور مصاحبت کرنا کچھ اچھّی بات نہیں۔ اب تک جو مجھے نقد ملا۔ وہ صرف ایک اشرفی ہے۔ جو گولی کا طفیل

ہے۔ مَیں نے ارادہ کر لیا۔ کہ حکیم سے تنخواہ مانگوں اور وہ تکلیف جو گولی کے حاصل کرنے میں مجھ پر پڑی تھی۔ اسے پھر دہراؤں۔ مَیں نے اس کے لئے وہ موقع تاکا جبکہ وہ ڈاکٹر کو ہرا کر پھولا نہ سماتا تھا؛

وہ شاہی دربار سے آیا ہی تھا۔ اور اپنی فتحمندی کی وجہ سے مجھ پر بہت مہربان تھا۔ اُسی خوشی میں وہ اپنے فوّارہ کے پتھر پر دو گھنٹہ بیٹھا ہوُا مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ کہ ہمارا بادشاہ کس قدر اچھا ہے۔ کتنا بڑا خوش اخلاق ہے۔ بھائی حاجی! مجھ سے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ مَیں اس کی مہربانیوں کو بیان کر سکوں۔ میری قابلیّت کے سامنے وہ ڈاکٹر کو لڑکا سمجھتا ہے۔ اور اسے بہت بُرا بھلا کہتا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ حکیم صاحب! وہ ڈاکٹر تو تیری جوتیاں بھی اٹھانے کے لائق نہیں ہے۔ اس نے پھر مجھے بلا کر تیتر دئے جو اس کے باز نے شکار کئے تھے؛

ہیں۔ واقعی بادشاہ بالکل ٹھیک فرماتے ہیں۔ بھلا

آج ایران میں کوئی آپ کی برابری کر سکتا ہے۔ بادشاہ بہت خوش قسمت ہے۔ کہ ایسا کامل حکیم اس کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ فرانسیسی ڈاکٹر چیز ہی کیا ہے۔ وہ تو اس قابل ہے۔ کہ آپ سے آ کر پڑھے۔ حضرت کیا یہ غلط ہے؟

یہ سن کر وہ ذرا مسکرایا۔ اور اسی خوشی میں جو حقّہ پی رہا تھا۔ اس نے اپنے منہ سے الگ کر کے مجھے دیا۔ اور پھر ذرا اپنی مونچھوں کو تاؤ دے کر ڈاڑھی پھڑکائی +

مَیں۔ خدا کرے وہ دن مجھے بھی نصیب ہو کہ مَیں بھی آپ کی شہرت سے فائدہ اٹھاؤں۔ اور حقّہ لوں۔ لیکن میں تو اچھا خاصا ایک گنا ہوں۔ میری حقیقت ہی کیا ہے۔ اُس مٹّی کی بھی تو برابری نہیں کر سکتا۔ جو صرف گلاب کے پھول کے ساتھ رہنے سے خوشبودار ہو جاتی ہے +

حکیم۔ کیا۔ کیا؟ تم ایسی اکھڑی اکھڑی باتیں کیوں کرتے ہو +

مَیں۔ ایک کہانی دہرانے کے بعد مَیں تمہیں سے

انصاف چاہونگا۔ سنئے ایک زمانہ میں ایک کتا تھا۔ جو بھیڑیا سا معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے بھیڑیے اسے اپنی سوسائٹی میں شامل کرتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ کھاتا پیتا اور بھیڑ کو پھاڑ ڈالتا تھا۔ غرض جو کام بھیڑیا کر سکتا ہے۔ وہ بلا تامل کرتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے بھائی یار دوستوں میں بھی رہتا تھا۔ اور ان کے مجمع میں شامل ہوتا رہتا تھا۔ آخر کار کتّوں کو یہ معلوم ہوگیا۔ کہ یہ بھیڑیوں میں بھی بہت گھُل مل کر رہتا ہے۔ اور لطف یہ کہ بھیڑیوں کو بھی معلوم ہوگیا۔ کہ واقعی یہ کتّا ہے۔ بھیڑیا نہیں ہے۔ پھر اُنہوں نے اپنے پاس نہ آنے دیا۔ اب یہ غریب کُتّا دونو جگہ ذلیل رہنے لگا۔ جب اس پر یہ صورت گراں گزرنے لگی۔ اور وہ اس حالت کو برداشت نہ کرسکا۔ تو اس نے بہت کوشش کی۔ کہ یا تو میں کتّا ہی بن جاؤں یا بھیڑیا ہی ہو جاؤں کہ کہیں پاپ تو کٹے۔ پھر میں نے حکیم سے کہا۔ کہ حضرت میں کُتّا ہوں۔ اور حضور آپ ہم سے بڑھ کر ہیں۔ پھر بھی

مجھ کو اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے ہیں۔ بیٹھنے
کی اجازت دیتے ہیں۔ مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔
مجھ سے مشورہ لیتے ہیں۔ اور میں آپ کے
پاس دوستوں کی طرح رہتا ہوں۔ لیکن مجھے
اس سے فائدہ کیا۔ اور یہ ساری باتیں مجھے
کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ میں بے پیسے کوڑی
آپ کا خادم ہوں۔ مجھے کچھ ملتا تو ہے نہیں
اس لئے میری یہ غرض ہے۔ کہ آپ مجھے
میرے قابل کوئی کام سپرد کر دیجئے اور میری
تنخواہ مقرر کر دیجئے +

حکیم۔ میں تنخواہ دیا نہیں کرتا۔ میرے جس قدر
ملازم ہیں۔ وہ سب میرے مریضوں سے کچھ
نہ کچھ لے لیتے ہیں۔ جو جس کی تقدیر کا
ہوتا ہے۔ وہ اُسے پہنچ جاتا ہے۔ تم بھی
ایسا ہی کیا کرو۔ وہ سب میرے ہمراہ کھاتے
ہیں۔ اور ہر سال ایک کوٹ مجھ سے
لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ انہیں کیا چاہئے۔
اتنے میں ایک پیادہ بادشاہ کے پاس سے
دو تیتر چاندی کے خوان میں رکھ کر لایا۔

حکیم اسے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوُا۔ اور بہت ادب سے وہ خوان اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور دعا دینے لگا۔ کہ اللہ مہربانیوں میں کمی نہ ہو۔ خدا بادشاہ کی دولت بڑھائے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہے ٭

حکیم نے پانچروپیہ لانے والے کو انعام کے دئے۔ اُس نے ذرا شرمندہ ہوکر انہیں واپس کردیا۔ پھر حکیم نے ایک تومان دیا وہ بھی اس نے نہیں لیا۔ دو تومان دئے وہ بھی واپس۔ تین دئے وہ بھی قبول نہیں کئے۔ بڑے جھک جھک اور بک بک کے بعد پانچ تومان پر فیصلہ ہوُا۔ ان باتوں سے حکیم کی ساری خوشی وشی کافور ہوگئی۔ شاہ نے تحفہ کیا بھیجا گویا جی کا جنجال بھیجا۔ حکیم کو اس قدر غصّہ آیا۔ آپے سے باہر ہوگیا۔ اور شاہ کو ایسے برُے الفاظ سے یاد کیا۔ کہ اگر بادشاہ کو اس کی خبر ہو جاتی۔ تو حکیم صاحب کو معلوم ہی ہو جاتا۔ اور پوری کانا گوشی ہوجاتی۔ حکیم کہہ رہا تھا۔ اجی بس خدا ہی بچائے ایسے تحفوں سے۔ یہ

بھی کوئی بات ہے۔ کہ ان کو انعام دیئے چلے جاؤ۔ اور یہ کمبخت زیادتی ہی کرتے چلے جائیں۔ نہ کسی کی شرم نہ کسی کا لحاظ۔ میری اس صورت پر بھی تو رحم نہیں کرتے۔ واقعی سعدی نے بہت درست کہا ہے :-

کہ تم بادشاہ کی مہربانی اور بچّے کی آواز پر ذرا بھروسہ نہ کرو۔ کیونکہ وہ ذرا سی بات میں ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ جوان ہوتے ہی رخصت ہو جاتی ہے +

جب حکیم یہ سب کچھ بک چکا۔ تو اسے ڈر ہوا کہ جو کچھ مَیں نے کہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کوئی اس کی خبر بادشاہ تک پہنچا دے۔ خاموش ہو کر رہ گیا۔ اور پھر کچھ نہ کہا +

مینے خیال کیا کہ یہ وقت موزون نہیں ہے۔ کہ تنخواہ کا ذکر کیا جائے۔ اس لئے اس معاملہ کو کسی دوسرے وقت کے لئے اُٹھا رکھنا چاہئے۔ مَیں نے اپنے دماغ میں خوب سوچ لیا۔ کہ جب کوئی موقع مل جائیگا۔ فوراً ان حکیم صاحب کو دھتا بتاؤنگا۔ لیکن میں اس وقت نہ اپنے کو

بھیڑیا سمجھتا تھا اور نہ کُتّا ہی ۔
تینوں لڑکے بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے۔ جوں ہی حاجی بابا یہاں پہنچے اُنہوں نے درخواست کی کہ اب قصہ ختم کر دیں ۔ کیونکہ وہ تینوں کل جاگے زیادہ تھے۔ اس لئے اب بیٹھا نہیں جلتا تھا۔ قصّہ ختم کر دیا گیا۔ اور یہ لڑکے اپنے اپنے گھروں کو چل دئے۔ گھر پر جاکر کھانا کھایا اور بہت جلد سو گئے ۔

حاجی بابا کی محبت اور زینب کا حال

دوسرے روز یہ لڑکے پھر حاجی بابا کے یہاں جمع ہوگئے اور پھر قصہ شروع ہوگیا۔ حاجی بابا نے کہا کہ:۔

مَیں اب اپنی قسمت سے بہت نا امید ہوگیا تھا۔ اور دل میں تہیہ کر لیا تھا۔ کہ اپنے یہ دن ایسے ہی تیر کر دئے جائیں۔ مَیں حکیمی کو نہ اچھا ہی سمجھتا تھا۔ اور نہ مجھے اس کی طرف میل ہی تھا۔ مَیں دیکھتا تھا۔ کہ جن لوگوں نے اس پیشہ کو سیکھا تھا۔ وہ بھی کچھ اچھی حالت میں نہ تھے۔ مَیں نے سوچ لیا تھا۔ اگر میری حالت کچھ بہتر نہ ہوئی تو مَیں فوراً اس جگہ کو چھوڑ دونگا۔ ان باتوں نے میرے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ مَیں سمجھنے لگا۔ کہ حکیم نے مجھ کو اپنا بالکل غلام بنا لیا ہے۔ اس تصوّر نے مجھے اَور بھی دیوانہ بنا دیا۔

حکیم کی ایک لونڈی تھی۔ جس کا نام زینب تھا۔ وہ مجھ سے محبت کرنے لگی۔ اور میں اس سے۔ حکیم کی بیوی اس کے ساتھ بہت بُرے طریقہ سے پیش آتی۔ ایک روز وہ مجھ سے چھپ کر ملی۔ اور اس نے بیان کیا +

یہ حکیم ایک نیچ خاندان کا آدمی ہے۔ اس کا نکاح بادشاہ کی ایک لونڈی سے ہو گیا ہے۔ یہ لونڈی اپنی بد چلنی کی وجہ سے نکال دی گئی ہے۔ یہ غرور اور بد مزاجی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ اس کے دماغ میں بادشاہ کے محلوں کی بُو سمائی ہوئی ہے + اب اس کو نیا شوہر جو ملا ہے۔ اس کو وہ اپنے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔ اور اپنے سے کم درجہ کا خیال کرتی ہے۔ حکیم کی طاقت نہیں۔ کہ بغیر اس کی اجازت کے بیٹھ جائے۔ ہر وقت ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہے۔ بد گمان اتنی بڑی ہے۔ کہ مجال کیا کہ حکیم کی کسی طرف نظر بھی اُٹھ جائے۔ پھر اس نے حکیم کے یہاں رہنے کی حالت یوں بیان کی +

ہم پانچ لونڈیاں ہیں۔ ایک شیریں جو گرجستان کی رہنے والی ہے۔ دوسری نور جہاں۔ تیسری ایتھیوپین کی لونڈی۔ چوتھی فاطمہ جو کھانا پکاتی ہے۔ پانچویں ایک بڑھیا ہے۔ جو جوان لڑکیوں کی نگہبانی کرتی ہے۔ میں اپنی بیگم کی خادمہ ہوں۔ مَیں اسے حقہ بھر بھر کر پلایا کرتی ہوں۔ کافی اس کے آگے لے جاتی ہوں۔ اس کو کھانا کھلاتی ہوں۔ اس کے ساتھ حمام جاتی ہوں۔ اس کو کپڑے پہناتی ہوں۔ اور اتارتی ہوں اس کے کپڑے درست کرتی ہوں۔ اس کا تمباکو کوٹتی ہوں اور اس کے آگے دست بستہ کھڑی رہتی ہوں۔ شیریں گرجی کل گھر کی حفاظت کی ذمہ وار ہے۔ اس کو میرے آقا اور بیگم کے کپڑوں کی حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ کھانے وغیرہ کا انتظام سب اس کے ذمہ ہے۔ تمام چینی چاندی اور دوسرے قسم کے برتنوں کی خبرداری کرتی ہے۔ غرض کل چیزوں کی رکھوالی کرنا اس کا کام ہے*

نور جہاں فراش کا کام کرتی ہے۔ غالیچہ

وغیرہ بچھاتی اور تمام بیلے کام کرتی ہے۔ چاندنیوں غالیچوں کا بچھانا۔ کمرہ میں جھاڑو دینا۔ تمام صحن میں چھڑکاؤ کرنا۔ باورچن کو مدد دینا۔ پارسلوں اور تاروں کا بیجانا۔ غرض جو اس قسم کا کام ہو۔ اُس کو وہی انجام دینی ہے ❊

اب وہ بُڑھیا جس کا نام بیلی ہے۔ اس کا کام یہ ہے۔ کہ نوجوان عورتوں کی حفاظت کرے۔ یہ ذرا ذرا سی بات جاکر لگاتی ہے۔ کہ آج اس نے یہ کیا۔ اور اُس نے فلاں کے ساتھ یہ باتیں کیں۔ ممکن نہیں کہ کوئی آنکھ بھر کر بھی کسی کو دیکھ لے۔ اسی طرح ہمارے دن فضول جھگڑوں میں کٹتے ہیں۔ ایک بیگم کا دوسری بیگم سے مقابلہ ہو رہا ہے۔ وہ ان کی جاکر لگائی بجھائی کرتی ہے۔ اور وہ ان کی۔ یوں ہی کشمکش میں گزرا کرتی ہے ❊

اس وقت میری اور گرجی کی کھلم کھلا لڑائی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ کسی ترکیب سے قسمت کھلنے کا ایک تعویذ اسے مل گیا تھا۔

دوسرے ہی دن بیگم نے ایک جاکٹ دی۔ مَیں حسد کرنے لگی۔ مجھے فکر ہوئی کہ کوئی فقیر ملے تو مَیں بھی ایک تعویذ لوں کہ مجھے ایک نوجوان شوہر ہاتھ لگ جائے۔ ان باتوں کی وجہ سے میرے اور شیریں کے درمیان جھگڑا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں۔ نور جہاں ہماری دوست ہے۔ کیونکہ وہ ہماری وجہ سے روز اپنی بیگم سے گرجی کی لگائی بجھائی کرتی رہتی ہے۔ کل بادشاہ کے یہاں سے مٹھائی آئی تھی۔ کچھ چوہے کھا گئے۔ مَیں نے گرجی شیریں کا نام لگا دیا۔ پس پھر کیا تھا۔ نور جہاں نے خوب ہی کوڑے لگوائے۔ مجھ سے بیگم کا کٹورا ٹوٹ گیا۔ یہ چھد ابھی اُسّی پر رکھا گیا۔ بیگم نے اسے مجبور کیا کہ وہ دوسرا کٹورا لائے۔ مَیں جانتی ہوں کہ وہ میرے خلاف منصوبہ گانٹھ رہی ہے۔ اس لئے مَیں کھانا بہت احتیاط سے کھاتی ہوں۔ کیونکہ مجھے ڈر لگا ہؤا ہے۔ کہ کہیں مجھے زہر نہ دیدے اور ایسے ہی وہ بھی مجھ سے ڈرتی رہتی ہے۔

ایک دفعہ ہم اور اس میں لپّاڈگّی ہوئی۔ کیونکہ اس نے میری طرف تھوک کر یہ کہا کہ "شیطان پر لعنت" یہ بات یزیدیوں کے یہاں گالی ہے۔ مَیں یہ دیکھ کر اس پر آ پڑی۔ اور جو کچھ مجھ سے بُرا بھلا کہا گیا۔مَیں نے خوب ہی کہا۔ اس کے جھونٹے پکڑ کر خوب گھسیٹے اور خوب گالی گلوچ ہوتی رہی۔ اب ان کا یہ حال ہے۔ کہ جہاں تک اس سے ہوسکتا ہے۔ وہ میری لگائی بجھائی خوب کرتی ہے +

یہ کہکر وہ میرے پاس سے چلی گئی +

حاجی بابا اور زینب کا دوبارا ملنا

دوسرے دن گھر میں کچھ آہستہ آہستہ آواز ہو رہی تھی۔ شہر سے برابر قسم قسم کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پہلے نقارے بجے۔ پھر اذان ہوئی۔ اس کے بعد تین دفعہ ڈھول بجے۔ شہر میں سناٹا چھا گیا۔ چاروں طرف سے پھرنے والوں کی آوازیں آنے لگیں۔ خلاصہ یہ کہ آدھی رات گزر گئی۔ اور حکیم کے یہاں سناٹا چھا گیا ٭

میں نے دل میں کہا۔ کہ یہ خموشی کیوں ہے۔ حمام میں اتنی دیر نہیں ہو سکتی۔ اور پھر عورتیں صبح کے وقت نہانے جاتی ہیں۔ غالباً گھر کی عورتیں کسی بیمار کو دیکھنے یا کسی کی شادی میں شریک ہونے یا کسی زچہ کو دیکھنے گئی ہیں۔ یہ سوچ رہا تھا۔ کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ دروازہ کھلا۔ اور صحن عورتوں کی پیروں کی چاپ سے گونج اٹھا۔ پھر میں سو گیا۔

دوسرے دن پھر زینب سے ملاقات ہوئی۔ مَیں نے اس سے کہا۔ تم نے یہ نہ بتایا۔ کہ تم کَون ہو۔ اور یہاں کس طرح سے آگئیں +

وہ اپنا حال یوں کہنے لگی :-

مَیں شیخ اوکوز آغا کی لڑکی ہوں۔ جو کُردستان میں بہت مشہور آدمی ہے۔ ماں کو نہیں جانتی کون تھی۔ سنا ہے کہ مَیں کُرند کے پوشیدہ جلسوں میں پیدا ہوئی تھی +

ولیم۔ کُرند کے کیا معنی ہیں ؟

حاجی بابا۔ یہ ایک شہر ہے کُردستان میں۔ ہاں تو پھر زینب نے کہا۔ کہ اس قسم کے راز کُردوں میں ہمیشہ چھپائے جاتے ہیں۔ اس لئے مَیں کسی سے اپنا تعلّق بیان نہیں کرسکتی۔ یہ ہے جو کچھ میرے خاندان کی نسبت کہا گیا ہے۔ جھوٹ سچ کو مَیں جانتی نہیں۔ مَیں نے مناسب نہ جانا۔ کہ اس حقیقت کو پوچھوں۔ زینب نے کہا۔ مَیں نے کبھی کسی ایسی عورت پر نگاہ نہیں ڈالی۔ جو میری ماں کہی جاسکے۔ مَیں اپنے خاندان میں ہاتھوں

ہاتھ بڑھی - میرا بچپن کا ساتھی - ایک گھوڑے کا بچّہ (بچھڑا) تھا - جو میرے باپ کی عورتوں کے خیمہ میں ہمارے ساتھ رہتا تھا - اس کی ماں ایک عربی گھوڑی تھی - وہ میرے نزدیک حیوان کی طرح نہیں - بلکہ ایک عزیزہ کی طرح رہتی تھی - اور حقیقت میں تمام عورتوں سے زیادہ عزیز تھی - اس کی جگہ تمام سے اچھی اور بڑی تھی - اس کا سامان تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی اور نایاب تھا - دستر خوان پر ہم جب بیٹھتے تھے - تو اس کا زیادہ خیال کرتے تھے - جب وہ گھوڑی مر گئی تو تمام خاندان کو بہت رنج ہؤا - اور بہت روئے پیٹے - اس کا بچہ میرے باپ کا جنگی گھوڑا بنا - اور اس وقت تک کُردوں کا فخر ہے - یہ ساری مصیبت صرف اسی کے سبب سے ہم پر آئی - اس کی تفصیل یہ ہے :-

تم اچھّی طرح سمجھ لو - کہ کُرد لوگ کسی سے دب کر رہنا پسند نہیں کرتے - ہمارے باپ دادا

اس سے پہلے کردستان کے پہاڑوں میں اپنے گلّوں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ اس وقت یہ مقام عثمانیوں کے قبضہ میں ہے۔ اور بغداد کا گورنر اس پر حکومت کرتا ہے۔ یہاں کا حاکم ہر وقت لوگوں سے لڑا کرتا تھا۔ اور ہم سے اپنی مدد کے لئے سوار لیا کرتا تھا۔ کیونکہ ہمارے سوار مشرق کے ملکوں میں جوانمردی میں بہت مشہور ہیں۔ ہمارے باپ نے جنگ میں بہتوں کو مار ڈالا۔ بغداد کا حاکم اس کی بہت عزّت کرتا تھا۔ وہابی فرقہ اس زمانہ میں مقابل ہؤا تو حاکم نے میرے باپ کو مدد کے لئے بلایا۔

کرشن۔ وہابی فرقہ کَون ہے؟

حاجی بابا۔ ایک مسلمانوں کی جماعت ہے۔ ان کے رہنما عبد الوہاب نجدی تھے۔ ان کے اصول عام مسلمانوں سے الگ ہیں۔ یہ قبروں پر عمارت بنانے کو حرام جانتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں اُنہوں نے جنت البقیع کے تمام قبروں کو ڈھا دیا۔ اب تو اس فرقہ کو حکومت

بھی بل گئی ہے۔ ابن سعود نجدی آج کل
عراق پر حاکم ہے۔ اگرچہ یہ ہمارے مذہب
کے خلاف باتیں کر رہا ہے۔ لیکن سلطنت کا
انتظام نہایت عمدہ ہو رہا ہے +

اختر۔ خیر۔ اب قصّہ کہیئے +

حاجی بابا۔ تو زینب نے کہا۔ کہ ہمارا باپ اپنے
سواروں کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اور ایکبارگی
رات میں وہابیوں پر لوٹ پڑا۔ وہابیوں
کے شیخ کے لڑکے کو مار کر اس کے ہتھیار
اور وہ گھوڑی جس پر وہ سوار تھا۔ لوٹ
لایا۔ کیونکہ وہ گھوڑی کی قدر اور ترکوں
کی بے وفائی کو خوب جانتا تھا۔ اس لئے
اس نے وہ گھوڑی چھپا کر اپنے قبلہ کو
بھیج دی۔ اور وہ عورتوں کے خیمہ میں
چھپا دی گئی۔ لیکن اس کی کوشش بیکار
گئی۔ بہادری اور لوٹ کی شہرت تمام میں
پھیل گئی۔ اور گھوڑی کی خبر حاکم کے
کانوں تک پہنچی۔ اس وقت تو اُس نے
مصلحتاً کچھ نہ کہا۔ لیکن جب یہ جنگ ختم

ہو گئی۔ اور سب اپنی اپنی جگہ واپس آئے تو حاکم نے دس سواروں کے ساتھ داروغہ اصطبل کو بھیجا۔ جو کچھ خدمت ہو سکتی تھی۔ ہم لوگوں نے اس کی کی ٭

میرا باپ انہیں دیکھتے ہی سمجھ گیا۔ اور اس نے احتیاطاً وہ گھوڑی بھگوا دی۔ ہمارا خیمہ ایسے مقام پر تھا کہ عورتیں مردوں کو دیکھ سکتی تھیں۔ لیکن مرد ہم کو نہ دیکھ سکتے تھے۔ علیک سلیک کے بعد اصطبل کے داروغہ نے میرے باپ کی طرف منہ کیا۔ اور اپنی زبان اور حاکم کی طرف سے اس کی بہت تعریف کی۔ اسی کے ساتھ سب نے اس کی تصدیق کی۔ پھر یوں گفتگو شروع ہوئی۔ اوکرز آغا! وہابیوں نے ایک آدمی ہمارے حاکم کے پاس بھیجا ہے۔ اور وہ گھوڑی جس پر وہابی شیخ کا لڑکا سوار تھا مانگی ہے۔ اوّل تو کہتے تھے۔ اس کا خون بہا۔ حاکم کا خون ہے۔ لیکن اب گھوڑی کے واپس دینے پر معاملہ طے ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں یہ گھوڑی اُس گھوڑے کی

نسل سے ہے۔ جس پر ہمارے رسولؐ مکّہ سے
ہجرت کر کے مدینہ گئے تھے۔ سب لوگ تیری
بہادری کو جانتے ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں۔
کہ وہابی شیخ کا لڑکا تیرے ہاتھ سے قتل ہوا
ہے۔ کیونکہ یہ سیاسی معاملہ ہو گیا ہے۔ اس لئے
تجھ سے وہ گھوڑی مانگی ہے۔ تاکہ وہابیوں کا
فتنہ کم ہو۔

یہ ہے اس کے بھیجنے اور میرے یہاں آنے
کا سبب۔

میرے باپ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم۔
بادشاہ کے نمک کی قسم۔ تمہاری جان کی قسم۔
اپنے ماں باپ کی قسم۔ ستاروں کی قسم۔ گھوڑی
یہاں نہیں ہے۔ وہابی جھوٹ کہتے ہیں۔ پھر
داروغہ اصطبل میرے باپ کو کنارے لے گیا۔ اور
کچھ کان میں کہہ کر ہنسا۔ میرے باپ نے کھانا
کھلا کر بیس تومان دیے اور اُسے واپس کر دیا۔
تاکہ وہ حاکم کے سامنے اس کی سفارش کر دے۔
اور گھوڑی کا جھگڑا مٹ جائے۔ یہ بھی وعدہ
کیا۔ کہ میں اپنی لڑکی حاکم کی خدمت میں پیش

کر دونگا - اگرچہ غیر قوم کو ہم لوگ اپنی لڑکی نہیں دیتے - لیکن بادشاہ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں ؁

کچھ دیر بعد داروغہ اصطبل چلا گیا - اور جب میرا باپ اس کے جانے سے مطمئن ہو گیا - تو کسی کو بھیج کر اُس نے گھوڑی منگوا لی - اور سارے چودھریوں کو بلا کر کہا کہ :-

بھائیو! ہم تو مصیبت میں پھنس گئے - مدت سے ہم عثمانیوں کو خراج - رشوت اور تحفہ سے سیر کرتے رہتے ہیں - اور ہر کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں - حاکم اپنے کو ہمارا دوست کہتا ہے - اس وجہ سے کہ مَیں اس کی راہ میں جان قربان کرتا ہوں - لیکن وہ ایسا پیسے کا لوبھی ہے - کہ دین کو دنیا سے بیچ ڈالنا اس کے لئے معمولی بات ہے - یہ موقع جو اس کے ہاتھ لگ گیا ہے - اسے وہ بیکار نہ چھوڑیگا - اگر میرے بال بچّے نہ ہوتے تو مَیں بتاتا - کہ مجھے ترکوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے - کیا کروں بال بچّوں کی زنجیر میرے

پاؤں میں پڑی ہوئی ہے۔ اور کچھ ہو نہیں سکتا۔ میرے دل میں تو یہ آتا ہے۔ کہ جلد سے جلد حدودِ عثمانی کو چھوڑ دیں۔ اور ایران کو بھاگ جائیں۔ وہاں ہم کو پناہ مل جائیگی۔ ایک چودھری نے جواب دیا۔ ادکوز آغا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ کیونکہ ترک ہمیشہ حیلہ ڈھونڈھا کرتے ہیں۔ کہ اپنی رعایا کو تباہ و برباد کریں۔ گھوڑی کا بہانہ ان کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ وہ ہماری زندگی برباد کردینگے۔ کل کسی کو بھیجینگے۔ ہم سے ضمانت مانگیں گے۔ اور مجبوراً ہمیں یہاں رہنا پڑیگا۔ پھر اُن کا جو دل چاہیگا کرینگے ⁂

خدا کی پناہ ان کے ہتھکنڈوں سے جو کچھ بھی ہو۔ ہم کو تو یہ چاہیئے۔ پھر اپنے باپ دادا کے پہاڑوں میں چل دیں۔ ہم ایرانی ہیں۔ اس پر سب لوگ بھی اس کے ہمزبان ہوگئے۔ اور ایک آدمی شاہزادہ کے پاس بھیجا۔ تا کہ سرحد والوں کو تاکید کردی جائے۔ کہ ان کی کوئی روک ٹوک نہ کرے۔ آدھی رات کو خیموں کو

کھود بیلوں اور اونٹوں پر باندھا اور بھیڑوں بکریوں کو آگے کرکے مرد عورت کچھ سوار اور کچھ پیدل سرحد کی طرف روانہ ہوگئے۔

مَیں راستہ میں رنجیدہ تھی۔ کہ حاکم کی بیوی کیوں نہ ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ راہ کُراہ ایران کی سرحد تک پہنچ گئے۔

میرا باپ کرمان شاہ کے پاس گیا۔ کیونکہ وہاں اس کی بڑی شہرت تھی۔ اس لئے اس کی بہت خاطر و مدارات کی گئی۔ اس نے اطمینان دلایا۔ کہ خدا کا ملک پڑا ہؤا ہے۔ جہاں جو شخص چاہتا ہے بیٹھتا ہے۔ اگر حاکم بغداد اس بہانہ سے کہ کُرد ہماری رعیت ہیں۔ واپس بلانا چاہیگا۔ تو ہم سمجھ لینگے۔ پھر مجھ کو دس فرسنگ زمین عثمانی ملک سے دور دی۔ اور ہم لوگ آرام کے ساتھ وہاں رہنے لگے۔

شاہزادہ نے درست کہا تھا۔ چند روز بعد حاکم بغداد نے شہزادہ کو خط لکھا کہ اوکوز آغا چور۔ ڈاکو۔ فسادی ہماری وہ گھوڑی چُرا لے گیا ہے۔ جو دُنیا میں بے مثل ہے۔ اگر آپ اسے واپس

نہ بھیجیں تو جنگ کے واسطے تیار ہو جائیے۔
یہ خبر سنتے ہی ہم لوگ پریشان ہو گئے۔ میرے
باپ نے وہ گھوڑی ایک جگہ چھپا دی۔ شہزادہ
نے اطمینان دلایا کہ تم شہنشاہ ایران کی پناہ
میں ہو۔ کسی بات سے خوف نہ کرو۔ جاؤ آرام
سے بیٹھو۔ ہم جانیں اور حاکم بغداد۔ تم بادشاہ
کی رعیّت اور خدا کی امان میں ہو +

میرے باپ نے یہ خبر قبیلہ کو پہنچائی۔ سب
خوش ہو گئے۔ لیکن میرا بڈھا چچا جس نے
نادرشاہ کے زمانہ میں بادشاہ کی خدمت کی
تھی۔ کہنے لگا +

یارو۔ ایرانیوں پر بھروسہ نہ کرو۔ ان میں
وفا کا نام بھی نہیں۔ ان کی جنگ کا ہتھیار
اور صلح کا آلہ جھوٹ اور خیانت ہے۔ ذرا
سے میں لوگوں کو جال میں پھانس لیتے ہیں۔
جتنی تم ان کی بھلائی چاہو گے وہ تمہاری
بُرائی چاہینگے۔ جھوٹ اور الزام لگا دینا ان
کی عادت ہے۔ اور ان کا قسم کھانا اس بات
کا گواہ ہے۔ ان کی قسموں کو تو دیکھئے۔ سچّی

بات کو قسم کی کیا ضرورت۔ تیری قسم ۔ اپنی
جان کی قسم ۔ اولاد کی قسم ۔ باپ کی قسم ۔
ماں کی قسم ۔ بادشاہ کے تاج کی قسم ۔ پیغمبر
کی قسم ۔ قبلہ کی قسم ۔ قرآن کی قسم ۔ حسن
کی قسم ۔ حسین کی قسم ۔ چہاردہ معصوم کی قسم
بارہ امام کی قسم ۔ یہ ان کی قسمیں ہیں ۔
خلاصہ یہ کہ مردہ و زندہ کی روح و جان سے
لے کر سر۔ آنکھ ۔ ڈاڑھی ۔ مونچھ ۔ دانت ۔ بازو
آگ ۔ چراغ ۔ حمام ۔ پانی ۔ ان سب کی قسمیں
کھاتے ہیں ۔ تاکہ جھوٹ کو سچ کر دکھائیں ۔
ان کے جھوٹ کو باور نہ کرو۔ تم کو یہ خیال
ہے ۔ کہ گھوڑی تمہارے پاس چھوڑ دینگے ؟
ایرانی ۔ عثمانیوں سے زیادہ لالچی ہیں ۔ یہ گھوڑی
جواہر کے برابر ہے ۔ تمہارے یہاں کس طرح
چھوڑ دینگے ۔ اگر اس کی شہرت بادشاہ کے کان
تک پہنچ جائے ۔ اور وہ مانگے ۔ تو پھر کیا کرینگے ؟
کیا دنیا بھر سے جنگ کی جا سکتی ہے ۔ نہیں
خدا کی قسم ۔ جو کچھ تم چاہو کرو ۔ میں ایرانیوں
پر بھروسہ نہیں کر سکتا ۔ اور ان کے کہنے پر

مجھے ذرا بھی اعتبار نہیں ہو سکتا +
آخرکار جو بڈھے نے کہا تھا وہی ہؤا۔ اور اس نے مجھے یہ دن دکھائے۔ ایک روز صبح کے وقت قبیلہ کے کتے بھونکنے لگے۔ میرا باپ باہر گیا کہ دیکھے کیا ہے۔ اوّل تو ایک سوار نظر آیا۔ پھر دوسرا دکھائی دیا۔ ایک کے بعد دوسرا بہت سے سوار آ گئے۔ اور ہم پر حملہ کر بیٹھے دو تین آدمی ہمارے یہاں کے مار ڈالے۔ ان کی غرض گھوڑی کو لینا تھا۔ خیموں پر ٹوٹ پڑے اور گھوڑی کو لے گئے +
جب دِن ہؤا تو معلوم ہؤا کہ ہمارے دشمن ایرانی تھے۔ میرے باپ نے اُن کے ایک بزرگ کو مار ڈالا تھا۔ اس لئے اُنھوں نے مجھ کو قیدی بنا لیا۔ اب میری حالت کا تم خود اندازہ کر لو۔ میری آنکھوں کے سامنے میرے باپ کو نہایت بیدردی سے مار ڈالا۔ اور ہمارا سارا مال لوٹ لے گئے +
زینب چاہتی تھی کہ بیان کرے کہ میرزا احمق کے ہاتھ کیونکر لگی۔ ناگاہ کسی نے دروازہ

کھٹکھٹایا۔ زینب دروازہ کھولنے چلی گئی۔ معلوم ہوا کہ مرزا احمق ہے۔ جلدی سے میں تو ہٹ گیا وہ چلی گئی۔ اب ان دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔ کہ اتنے میں بیگم اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ گئی۔ ان دونوں کو ایک جگہ دیکھکر۔ بیگم کی حالت خدا کی پناہ وہ ساری باتیں قیامت تک یاد رہیں گی۔

اس نے بڑے احترام کے ساتھ کہا۔ سلام علیک۔ امید کہ جناب کا مزاج اچھا ہوگا۔ عیش و عشرت کے مزے کم نہ ہوئے ہونگے۔ آپ کا وقت ماشاء اللہ اچھی طرح گزرا ہوگا۔ افسوس ہم ذرا جلد آ گئے"۔ اس کی آنکھیں غصّہ سے لال تھیں۔ اور دماغ میں عقل کا نام بھی نہ تھا۔ غصہ میں منہ نوچنے اور بوٹیاں اڑانے پر تیّار تھی"۔ واہ واہ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ اب معلوم ہؤا کہ مَیں تو ایک کُتیّا ہوں میرے گھر میں۔ میرا غلام۔ میری لونڈی۔ شاباش ہے۔ مجھ کو۔ اے خدا تو دیکھتا ہے اس عجیب و غریب واقعہ کو۔ میں کہاں تھی۔ کہاں آ گئی۔

آسمان پر تھی - زمین پر آ گئی +
پھر شوہر کی طرف منہ کر کے کہا کہ - خوب -
احمق جان - گردن تو اُٹھاؤ - مجھ کو تو دیکھو -
تجھے میری جان کی قسم یہ تو بتاؤ - کہ تو آدمی کس
طرح کہا جا سکتا ہے - تو کہاں - آدمی کہاں -
تو بھی اپنے آپ کو آدمی سمجھتا ہے - اس
ڈاڑھی پر تھو ہے - اور پھر لقمان عصر اس
بندر کی سی صورت پر - اس کبڑی پیٹھ پر
اس بکرے کی سی ڈاڑھی پر واہ واہ واہ وا
مجھے کیا سمجھا ہے - وہ وقت بھول گیا - جب مَیں نے
تجھ کو خاک سے پاک کیا - آدمی بنایا - اے
کتے سے بدتر انسان - تو اور یہ حرکتیں - یہ
بات کیا ہے - اس کے معنی کیا ہیں +
حکیم قسم کھانے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا -
انکار سے اس کو کوئی فائدہ نہ تھا - گالیوں
کا مینہ برس رہا تھا - پھر بیگم نے حکیم کی طرف
سے مُنہ پھرا کر زینب کی طرف دیکھا - اس پر
بھی غصّہ کی آگ کم نہ ہوئی - زینب کے بال
پکڑ کر اس طرح اِدھر اُدھر کھینچے - کہ خدا کی

پناہ- اس کو مار پیٹ کر ایک کونہ میں ڈلوا دیا۔
اور پھر اتنا کوٹا کہ خود تھک گئی- میں دل
میں کہہ رہا تھا کہ اب مکان کو چھوڑ دینا
چاہیئے- وہ چڑیل حکیم کی بیوی اب زینب کے
ساتھ نہایت بُری طرح پیش آئیگی- اور ذرا ذرا
سی بات پر نگاہ رکھے گی +

اختر- اچھّا اب یہاں پر ختم کر دیجیئے +

حاجی بابا- کیوں کیا اب نیند معلوم ہو رہی ہے +

اختر- ہاں- اب ختم کیجیئے- کل سنینگے +

حاجی بابا- اچھّا- جاؤ- خدا حافظ +

یہ سُن کر تینوں لڑکے اُٹھ اُٹھ کر اپنے اپنے
گھروں کو چلے گئے +

مرزا احمق کا بادشاہ کو مہمان کرنا

دوسرے روز حاجی بابا نے یوں قصہ شروع کیا :-

میں ٹہل رہا تھا اور کہہ رہا تھا - کہ مجھے حکیم کا گھر فوراً چھوڑ دینا چاہیئے - بلکہ طہران ہی سے نکل جانا چاہیئے - کیونکہ یہ جگہ بڑے خطرے کی ہے - لیکن کچھ سوچ کر میں پھر اپنے ارادہ سے پھر گیا - میرزا احمق جانتا تھا - کہ ساری باتیں میری وجہ سے ہوئیں لیکن صرف اتنا کہ کچھ دال میں کالا ہے - یعنی اس کام میں کسی دوسرے کا ہاتھ بھی ہے اس لئے وہ بہت ہوشیار ہو گیا - ہر وقت دروازہ پر نظر رہتی تھی - کہ زینب اپنی بیگم کے ساتھ باہر آ رہی ہے - لیکن زینب کہاں - گمان تھا کہ یا تو وہ بیمار ہے یا قید میں - انتظار کرتے کرتے تھک گیا - یہانتک کہ ایک روز میں نے نور جہاں کو دیکھا - کہ اکیلی بازار جا رہی ہے -

مَیں اس کے پیچھے چلا اور سامنے جاکر اس کو سلام کیا۔ اور کہا نور جہاں! اکیلی کہاں جارہی ہو؟

اس نے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ جناب گُردی لونڈی کے لئے دوا لینے جارہی ہوں۔

مَیں نے کہا۔ کیا زینب بیمار ہے؟

اس نے جواب دیا۔ صرف بیمار ہی نہیں۔ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ تم لوگ ایرانی بڑے بیرحم ہوتے ہو۔ کچھ تمہیں گُردی کی بھی خبر ہے؟

مَیں نے کہا۔ تمہیں خدا کی قسم کیا ہوُا۔ ٹھیک ٹھیک تو کہو؟

اس نے آہستہ آہستہ کہا۔ کہ بیگم نے زینب کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے۔ اور ممانعت کر دی ہے۔ کہ دھوپ تک نہ دیکھنے پائے۔ اس کی وجہ سے اسے شدید بخار آگیا ہے۔ اور مری جاتی ہے؟

ولیم۔ بخار کسے کہتے ہیں؟

حاجی بابا۔ یہ ایک بیماری ہے۔ اس سے جسم میں

حرارت زیادہ ہو جاتی ہے۔ جب یہ پُرانا ہو جاتا ہے۔ تو اس کو تپ دق کہتے ہیں۔ یہ مرض انسان کا بڑا دشمن ہے۔ ہندوستان کیونکہ گرم ملک ہے۔ اس لئے یہاں اس کے مریض بہت جلد مر جاتے ہیں۔ یورپ اور شمالی امریکہ میں قریب پانسو آدمی روزانہ اس مرض میں مر جاتے ہیں۔ شمالی امریکہ کے آدمیوں نے اس کا اندازہ کیا ہے۔ کہ تین ارب روپیہ سالانہ تپ دق کے مرض میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اور ہندوستان میں جو اُس سے نقصان ہیں۔ اُس کا کوئی اندازہ نہیں۔ تپ دِق کا مرض پھیپھڑوں میں اس مرض کے زہریلے کیڑے داخل ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ بیماری زیادہ تر بچپن اور جوانی میں ہوتی ہے مگر بڑی عمر کے لوگ بھی بعض دفعہ اس کا شکار ہو جاتے ہیں ٭

تپ دق کا زہر مریض کے تھوک اور بلغم میں موجود ہوتا ہے۔ بیماری کے شروع میں یہ بہت کم ہوتا ہے۔ مگر جوں جوں مرض